عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماھنامہ غزالی

رجب، شعبان ۱۴۳۳ھ/جون، جولائی ۲۰۱۲ء

RegNo.P476

جلد:دھم

شمارہ: 10,11

فہرست

فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک: -/200 روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل: physiologist72@yahoo.com

www.darwaish.org

بیان

(حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلو علیھم آیاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم (البقرہ:۱۲۹)

نبی اکرم ﷺ کی میراث کاملہ ان تینوں چیزوں کی آدائیگی میں ہے۔ یعنی تلاوت قرآن یعنی وہ علوم جو تلاوت کے متعلق ہیں۔ ''تزکیہ'' یعنی قلب و ذہن کی صفائی اور پاکیزگی کے علوم اور تیسری چیز کتاب وحکمت کے علوم۔

حضور ﷺ کا کامل وارث وہ ہے۔ جو اِن تینوں فرائض نبوت سے حصہ لے کر اُمت کو دے۔ تمام صحابہ کامل تھے اُنہوں نے حضور ﷺ سے لیا اور اُمت کو پہنچایا۔

فیض ساقی ہے بہ انداز ظرفِ میخوار
دل حریف مے بسیار کہاں سے لاؤں

جس کا جتنا ظرف تھا اُتنا حضور ﷺ سے فیضیاب ہوا۔

جماعت جماعت سے متاثر ہوتی تھی۔ صحابہ بن گئے اور ایسے بن گئے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کے بارے میں فرمایا۔

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤ گے۔

صحابہ سے تابعین نے لیا۔ اور تابعین سے تبع تابعین نے اور یہ تینوں فرائض نبوت جماعت سے جماعت کو منتقل ہوتے رہے۔ بعد میں ان فرائض نبوت کا انتقال جماعتی رُخ سے نہیں چلا۔ البتہ اصحاب کاملین سے فرداً فرداً دوسرے اصحاب کاملین

متاثر اور فیض یاب ہوتے رہے اور دیے سے دیا جلتا رہا اور ان سے فیض چلتا رہا۔ کتاب اللہ کی تعلیم میں تفسیر قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم آئیں گے۔ اور اسی طرح یـــزکیھـم پا کی کیا چیز ہے؟ وہ بھی فرائض نبوت میں سے ایک اہم فریضہ ہے۔ جس کے بارے میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔

قد افلح من زکّٰھَا (الشّمس:۹)

ترجمہ: یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان) کو پاک کرلیا۔

(معارف القرآن)

گویا تزکیہ پر کامیابی کا مدار ہے، نجات کا مدار ہے۔ تو تزکیہ کو کیسے حاصل کیا جائے؟ تو جیسے صاف کرنے والی چیز کے بغیر صفائی نہیں ہوتی ایسے ہی دلوں کی صفائی کے لئے بھی کوئی ذریعہ کوئی چیز ضروری ہے، وہ چیز پاک دل ہے جو اپنی پاکی کی تاثیر سے دوسرے دلوں کو پاک کردیتا ہے۔

یوم لا ینفع مال و لا بنون ٥ الا من اتی اللّٰہ بقلبٍ سلیم.

(شعراء: ۸۸،۸۹)

ترجمہ: جس دن میں کہ (نجات کے لئے) نہ مال کام آوے گا نہ اولاد ہاں (اس کو نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس (کفر وشرک) سے پاک دل لے کر آوے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تو سراجاً منیراً ہے یعنی روشن گر چراغ، وہ چراغ اور دیا جس سے آگے چراغ جلتے ہی جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پورے کے پورے اعمال میں متاثر کرنے والے اور صاف کرنے والے تھے۔ تقویٰ کے بارے میں فرمایا التـــقـــویٰ ھاھنا اور اپنے قلب کی طرف اشارہ فرمایا کہ تقویٰ کا مقام دل ہے۔

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ٥ (الحج:۳۲)

ترجمہ: جو شخص دین خداوندی کے ان (مذکورہ) یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا خدا تعالیٰ سے دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کا محل دل ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ (بخاری)

ترجمہ: دیکھو! تمہارے جسموں کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو گیا تو تمام جسم درست ہو جائے گا اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام جسم بگڑ جائے گا اچھی طرح جان لو کہ وہ دل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دل بنیاد کا درجہ رکھتا ہے۔ انبیاء علیھم السلام کی دعوت کا اصل مدعا دل ہوتا ہے۔ دل بنتا ہے تو دماغ و جسم بھی بنتا ہے۔ دل کی صفائی کیا ہے؟ نبی کی ذات میں جس طور پر اللہ کے احکام بسے ہوئے ہوتے ہیں، دل میں ایمان و توحید کی نورانیت رچی ہوئی ہوتی ہے یہی دل کی صفائی ہے۔ حضور ﷺ کی ذات سراجا منیرا ہے۔ روشن گر دیا ہے۔ بلب سے آپ دوسرا بلب نہیں روشن کر سکتے لیکن دیے یا چراغ سے دوسرا دیا روشن کیا جا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محمد ﷺ کے اندر اللہ نے ایسی تاثیر رکھی تھی جس سے ایمان، تقویٰ اور خُدا کے تعلق کی روشنی ملتی تھی۔

جو میرے دل میں ہے وہ اپنے دل میں سمجھ لیجئے گا
دلوں ، دلوں میں ہی ہو جائے فیصلہ دل کا

دل سے دل لیتا ہے۔ نبی پاک ﷺ کے قلب کے اندر ہدایت و ایمان کا

نورا ایسا تھا جیسے ایکسریز جسم کو چیر کر چلی جاتی ہیں۔ اہل دل کا نور ظاہر کی فضاؤں کو چیر کر اندر جاتا ہے۔ یہ ہے صفت تزکیہ اور یہ ہے صفت صحبت جو اہل اللہ سے میسر آتی ہے۔ یہ کتاب سے حاصل نہیں ہوتی۔ صحابہ کو صحابہ کیوں کہتے ہیں۔ کہ وہ حضور ﷺ کے صحبت یافتہ تھے۔ جیسے اہل اللہ کی زبان کام کرتی رہتی ہے اسی طرح ان کے قلوب بھی تاثیر پیدا کرتے ہیں۔ وہ پورے زندہ ہوتے ہیں۔ زندہ سے مُراد دل کی زندگی ہے یعنی دل میں ایمان کی روشنی کا ہونا۔

حضور ﷺ کا قلب مبارک سید القلوب ہے۔ ایمان اور تقویٰ کا Power House ہے۔ اس پاک دل سے ہدایت کی شعاعیں نکلتی تھیں جو لینے والے ہوتے تھے۔ ایمان کی یہ شعاعیں ان پر پڑتی تھیں۔ لینے کیلئے بھی انسان میں Reception Power ہونی چاہیئے یعنی قبول کرنے کی استعداد ہونا چاہیئے۔ ایک ہی مجلس میں جس نے حضور ﷺ سے لیا تو اُتنا لیا کہ بعد میں پوری اُمت نہیں لے سکی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بغیر کسی واسطہ کے حضور ﷺ سے لینے والے تھے۔ ایک لمحہ کی صحبت سے وہ نور ہدایت اندر آیا کہ دلوں پر جو غیر کے تعلق اور غفلت کی سیاہی تھی وہ دور ہوگئی۔ دل جب صاف وشفاف ہو جاتا ہے تو پھر اس میں انعکاس آسانی سے ہوتا ہے۔

مولانا روم نے ایک مثال دی ہے۔ کہ ایک بادشاہ تھا اس نے صناعوں کا مقابلہ کروانا چاہا۔ دو دیواروں کے درمیان پردہ لٹکایا۔ رومیوں نے اپنی طرف کی دیوار پر بہت خوبصورت نقش ونگار اور تصویریں بنائیں اور چینیوں سے اپنی طرف کی دیوار کو صیقل (آئینہ) کر دیا۔ جب پردہ ہٹایا تو جو نقش ونگار رومیوں کی دیوار پر تھا ہو بہو وہی نقش ونگار چینیوں کی دیوار پر تھا۔ یعنی جو رومیوں کی دیوار پر تھا اس کا عکس چینیوں کی دیوار پر آ گیا۔ اسی طرح دل کے قلعی کرنے اور چمکانے کا نام تزکیہ ہے۔ جب دل

صاف ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے انوارات وتجلیات کا عکس اس پر پڑتا ہے۔ اسی طرح جب دل پاک وصاف ہو جاتا ہے تو انوارات نبویؐ اس میں منعکس ہونے لگتے ہیں۔ جس طور پر حضور ﷺ ظاہری علوم شریعت کے قاسم تھے اسی طور پر آپ کا سینہ مُبارک حقیقت ومعنیٔ شریعت کا قاسم تھا۔ ایک ہیں الفاظِ ایمان اور ایک ہے حقیقتِ ایمان۔ حقیقتِ ایمان قلب کے اندر پیوست ہوگی۔ جس طور پر حضور ﷺ نے الفاظ ایمان دیئے اسی طور پر حضور ﷺ نے حقیقت ایمان بھی دی۔ صحابہ کرام حضور ﷺ کی صحبت میں بیٹھتے تھے اور صحبت سے ایمان کی حقیقت ان کے اندر چلی جاتی تھی۔

جو آگ کی تاثیر وہی عشق کی تاثیر
ایک سینہ بہ سینہ ہے ایک خانہ بہ خانہ ہے

ایک سینہ سے دوسرا سینہ روشن ہوتا چلا جاتا ہے۔ چقماق کو رگڑنے سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔ ایک دفعہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے میرا ہاتھ لیا اور اپنے ہاتھ سے رگڑا تو گرمی پیدا ہوئی، فرمایا کہ اسی طرح اس رگڑا رگڑی میں کام ہو جاتا ہے۔

پیری مُریدی کا جو سلسلہ ہے یہ صحبت نبوت کا سلسلہ ہے۔ ایک سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا۔ نام ہی سلسلہ جیسے بجلی کا پول یہاں ہوتا ہے لیکن اس کا سلسلہ Power House تک چلا گیا ہے۔ اسی طرح سلاسل سلوک حضور ﷺ تک پہنچ جاتے ہیں۔ سینہ بہ سینہ سلسلہ چلتا ہے۔ یہ کوئی راز وبھید کی بات نہیں۔ اصل چیز نور ایمان ہے آپ ہزار بلب لگائیں۔ اگر اندر سے کرنٹ نہ ہو تو بلب روشن نہیں ہوں گے۔ انتقال نسبت ایمان کی وہ کرن ہے جو حضور ﷺ سے چلی اور ہوتے ہوتے ہمارے دور تک پہنچی۔ نور ایمان وہاں سے چلا ہے جیسے دیے سے دیا روشن ہوتا ہے ایسے دل سے دل

روشن ہوتے ہیں۔ یہ شجرہ اُن دل جلوں کا سلسلہ ہے جو ایک دوسرے سے روشن ہوتے رہے۔ پیری مُریدی قلبی تبلیغ و دعوت کا سلسلہ ہے۔ حضور ﷺ نے قرآن پڑھایا۔ ایک بچہ بھی یہ دعویٰ کرسکتا ہے۔ کہ یہ وہی قرآن ہے جو حضور ﷺ کے زمانے میں تھا۔ جیسے حضور ﷺ سے ہم کو قرآن و حدیث پہنچی ہے اسی طرح تزکیہ کا فریضہ بھی پہنچا ہے۔

جیسے بازار میں خالص چیزوں میں ملاوٹ عام ہوگئی ہے۔ اسی طرح تزکیہ کے فریضہ میں بھی بعد میں ملاوٹ ہوگئی ہے۔ لیکن جو خالص گھی کے شوقین ہوتے ہیں وہ اپنے لئے خالص گھی ڈھونڈ لیتے ہیں۔ اسی طرح ملاوٹ کے باجود اہل حق کم تو ہوئے نایاب نہیں ہوئے۔ تزکیہ کے حصول کے لئے بیعت کا سلسلہ ہے کہ انسان ایسے لوگوں کی جوتیوں میں رہ کر دین کی حقیقت کو حاصل کرے۔ کہ ایمان کیا ہے؟ بُخل کیا ہے؟ حسد کیا ہے؟ طبِ قلبی کا نام تصوف ہے۔ سلوک کیا ہے؟ پیری مُریدی کیا ہے؟ دلوں کی اصلاح کے طریقے کا نام سلوک و تصوف اور پیری مُریدی ہے۔ جیسے بازار میں آپ کو دو پیسے والے عطائی قسم کے طبیب مل جائیں گے۔ اسی طرح اس میں بھی آپ کو بازاری قسم کے پیر مل جائیں گے حالانکہ یہ بازار کی چیز نہیں۔ پیر اور مصلح صحبتِ اہل اللہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس طرح کیمیا کے چھونے سے دوسری دھاتیں سونا بن جاتی ہیں اسی طرح صحبتِ اہل اللہ انسان کی کایا پلٹ دیتی ہے۔

بیعت کیا ہے؟ حضور ﷺ نے صحابہ سے بیعت لی ہے۔ بیعت کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ بیعت ایمان کی بھی لی ہے۔ ہاتھ میں ہاتھ دینا ایک رسم ہے جو دلالت کرتی ہے اس عہد پر جو انسان پیر یا شیخ کے ساتھ کرتا ہے اور پکا وعدہ کرتا ہے کہ تمھارے کہنے پر چلوں گا۔ حضور ﷺ نے ایمان کی بھی بیعت لی ہے اور قتال کی بھی۔ اسی طرح اصلاح کی بیعت لی ہے کہ غیبت نہیں کریں گے، جھوٹ نہیں بولیں گے، چوری اور زنا نہیں کریں گے۔ یہ سب حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ اسی

طرح امارت کی بھی بیعت تھی۔ بیعت کی حقیقت وہ عہد ہے جو شیخ سے کیا جاتا ہے کہ میں شیخ کی ہدایات کے مطابق پورا پورا عمل کروں گا جو وہ میری اصلاح کے لئے تجویز کرتا ہے۔ بیعت میں کچھ دیا جاتا ہے اور کچھ لیا جاتا ہے۔ اپنی والی زندگی دی جاتی ہے اور حضور ﷺ والی زندگی لی جاتی ہے۔ ہاتھ میں ہاتھ دینا بیعت کی ایک نشانی ہے۔ بعض اوقات ہاتھ کے بجائے پگڑی یا رسی ہاتھ میں دیا کرتے ہیں۔ بیعت اس تعلق، محبت، اعتقاد و اعتماد اور اتباع کا نشان ہے جو پیر و مرید کے درمیان ہوتا ہے۔ بیعت بعض اوقات فرض کے درجہ میں، بعض اوقات واجب، بعض اوقات سُنت اور بعض اوقات مستحب کے درجہ میں ہوگی۔ مشائخ کی بیعت سُنت کے درجہ میں ہے۔ پیر کون ہوتا ہے؟ پیر سے لیا کیسے جاتا ہے؟ اور پیر کیسے دیتا ہے؟ جب پیر اس راہ پر چلانا چاہتا ہے جو محمد ﷺ کی راہ ہے تو پیر کیلیئے لازم ہے۔

۱۔ کہ خود متبع سُنت ہو کیونکہ جو خود کرنے والا نہ ہو وہ دوسروں کو کیا عمل پر ڈالے گا۔

۲۔ وہ کتاب وسُنت کو اس حد تک جانتا ہو کہ فرائض وسنن وواجبات پر عمل کر سکتا ہو۔ یہ کتابوں کے ذریعے حاصل کیا ہو یا بزرگوں کی صحبت سے یہ علوم حاصل کئے ہوں۔

۳۔ اس کا سلسلہ پیوستہ ہو، درمیان میں انقطاع نہ ہو۔ اگر سلسلہ میں انقطاع آ گیا تو صحیح نہ ہوا۔ سلسلہ حضور ﷺ تک متصل ہو۔ (اس زمانے میں ایسے پیر پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے منڈیاں قائم کی ہیں۔ حالانکہ ان کا کوئی سلسلہ نہیں)۔

۴۔ اس زمانے کے اہل حق اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔

۵۔ مفادِ دُنیا مُریدوں سے وابستہ نہ رکھتا ہو۔

۶۔ اس کی صحبت میں تاثیر پائی جاتی ہو (یعنی آنے والوں کی زندگی بدلتی ہو)۔

۷۔ اس کے اکثر متعلقین اور مریدین شریعت کی پابندی کرنے والے ہوں اور دن بدن دین کے قریب تر آرہے ہوں۔ ہاں بعض مُریدین "مَـــٹَـــکُـــر" ہونگے۔(یہ پشتو زبان کا لفظ ہے حضرت قدس سرہ اس کا استعمال فرماتے تھے۔یعنی اثر نہ لینے والے۔محمد یوسف) کہ وہ شریعت کے اتباع میں سست ہونگے۔اس میں پیر کا کوئی قصور ونقص نہیں۔

۸۔ مریدین پر شفیق ہو اور دل سے چاہتا ہو کہ یہ اللہ کے بندے دین پر آجائیں اور شریعت کی پابندی کرنے لگ جائیں شیخ کو تلاش کیجیئے۔ ’’جوئندہ یابندہ‘‘ انشاء اللہ اہل حق شیخ مل جائے گا۔

ہمارے ہندو پاکستان میں مشائخ سلوک کے چار سلاسل بہت عام ہیں۔جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دو انشاء اللہ ٹھیک ہوگا۔پیر راہ بتا دیتا ہے،سالک اس پر چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ شیخ سے فیض کے حصول کا طریقہ یہ ہے۔کہ

۱۔ اعتقاد: اپنے شیخ اور پیر کے ساتھ یہ اعتقاد ہو کہ اور شیوخ کی نسبت مُجھے اس شیخ سے زیادہ فائدہ پہنچے گا۔

۲۔ اعتماد: شیخ پر اعتماد ہو کہ جو تحت شرع بات شیخ بتائے۔اس پر اعتماد ہو کہ اس میں میرا نفع ہے۔

۳۔ اتباع شیخ: کہ شیخ شریعت کے مطابق دین کی جو بات بتائے اس میں چوں وچراں ،اگر مگر نہ ہو بلکہ اس کا مکمل اتباع ہو۔

۴۔ اطلاع: کہ اپنے حالات سے شیخ کو مطلع کرتا رہے۔شیخ عالم الغیب نہیں کہ وہ خود بخود بغیر آپ کے بتائے ہوئے آپ کے عیوب پر مطلع ہوگا۔

اگر کوئی ان اصول چہارگانہ اعتقاد،اعتماد،اتباع اور اطلاع پر عمل کرے تو انشاء اللہ منزل

تک پہنچ جائے گا اور اس کی روحانی اصلاح بہت جلدی ہو جائے گی۔ کیونکہ

ع محروم بھی مے خانہ کا محروم نہیں
ہے اب درِ پیر مغان چھوٹے نہیں
اس کی مٹی میں بھی فیض جام ہے

بعض اوقات شیخ سے فیوض و برکات حاصل نہیں ہوتے اور اس کا سبب شیخ پر ظاہری و باطنی اعتراض ہوتے ہیں۔ پہلے شیخ کو خوب تلاش کرو، خوب چھان بین کرو کیونکہ بعض ڈوکاندار پیر بھی ہوتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دو کیونکہ عمر بھر کا سودا ہے۔ دو پیسے کا برتن خرید تے ہو تو اس کو خوب بجاتے ہو اور اوپر نیچے سے دیکھتے ہو۔ بیعت میں جلدی نہ کرو۔ پہلے خوب پرکھو۔ مگر اس حالت میں بھی اعتراض قلبی اور لسانی نہ کرو جب تک کہ وہ شریعت کا کھلا کھلم خلاف نہ کر رہا ہو۔ اگر کچھ ایسی ویسی بات ہو تو ایک طرف ہٹ جاؤ مگر اعتراض نہ کرو۔ بعض لوگ امتحان کے لئے شیوخ کے پاس آتے ہیں، بعض ٹوہ کیلئے آتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں اس راستے کی رکاوٹیں ہیں۔ یعنی غفلت و لاپرواہی بھی نہ ہو۔ شیخ کے حقوق کی ادائیگی اور سب سے بڑا حق شیخ کا یہ ہے کہ جو باتیں وہ شریعت کے ماتحت بتا تا ہو اس پر پورا پورا عمل ہو۔ شیوخ کا اس میں مقابلہ نہ کرے کہ میرے شیخ کا مقام آسمانوں سے بھی اُونچا ہے اور فلاں شیخ فلاں مقام اور درجہ کا ہے۔ فلاں شیخ ایسا ہے اور فلاں شیخ کے کمالات ایسے ہیں۔ شیوخ سب بھائی بھائی ہیں۔ اگر اس طور پر اور ان احتیاطوں کے ساتھ انسان چلتا ہے۔ تو جلد یا بدیر فائدہ پہنچے گا۔

صوفیاء کا اس پر اجماع ہے کہ مبتدی کے لئے جب تک شیخ اجازت یعنی خلافت

نہ دے، وحدت شیخ نہایت ضروری ہے یعنی ایک ہی شیخ کے ساتھ تعلق ہو وحدت شیخ کے بغیر قلب میں انتشار اور پریشانی ہوگی کیونکہ شیوخ کی طرز تربیت اور طبیعتوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ اسی طرح مرید کے علاج میں اختلاف ہوگا۔ جیسے بیک وقت دو تین ڈاکٹروں کے علاج سے بیماری کا علاج کما حقہ نہیں ہوتا بلکہ مزید پریشانی اور بیماری کی زیادتی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بقول سید سلیمان ندویؒ:

جب تھی آزادی تو ہر سو دوڑ تھی
قید میں آرام ہی آرام ہے

تشتت (Confusion) میں طالب اپنے آپ کو مبتلا نہ کرے کہ کس کی مانوں اور کس کی نہ مانوں۔ اس راہ میں جمعیت قلب بہت ضروری چیز ہے۔ یہ تو دلوں کا معاملہ ہے اور دلوں کا آئینہ بہت نازک ہوتا ہے۔ آپ کہیں بیعت ہو گئے اور بیعت کے بعد یہ بات کھلی کہ یہ رہزنِ طریق ہے، سالک نہیں ایسے ہی گدی بنائی ہے۔ ایسی حالت میں شیخ سے جدائی اختیار کی جائے گی۔ پہلے شیخ کو اس کے خلاف شریعت فعل پر احترام کے ساتھ فسخ بیعت کی اطلاع دیں گے اور بیعت کے فسخ ہو جانے کے بعد بھی تمام عمر اس کے خلاف بُرے الفاظ نہیں کہے جائیں گے۔ بس ادب واحترام کے ساتھ اس کو مطلع کریں گے کہ ہم جا رہے ہیں۔ اگر پہلے شیخ کا انتقال ہو گیا اور تکمیل نہیں ہوئی اور اس نے اجازت نہیں دی ہے تو دوسرے شیخ کو تلاش کرنا پڑے گا جس کے ساتھ مناسبت ہو اور اس پہلے شیخ کے رُخ پر چلنے والا ہو۔ اگر کوئی شخص کامل ہے اور اجازت یافتہ ہے تو اپنے شیخ کی اجازت سے کسی دوسرے شیخ کی مجلس میں جا سکتا ہے مگر تعلیم واصلاح کا تعلق اپنے شیخ کے ساتھ رکھے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆

بیان (یکم مئی ۲۰۱۲ء)

(حضرت ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہٖ الکریم.

میرے ڈیپارٹمنٹ میں جناب ڈاکٹر فرید صاحب آئے ہیں جو کمپیوٹر کے ماہر ہیں۔ انھیں میں نے یہ کام دیا کہ یہ اعداد و شمار نکالیں کہ معلوم تاریخ میں کتنا کُشت وخون ہوا اور کس کس کے ہاتھوں ہوا ہے۔ انھوں نے مجھے تین صفحے نکال کر دئے اور کہا کہ اس پر پورا کام کروں گا۔ اس میں سے اہلِ اسلام کے ہاتھوں جنگوں اور جہاد وغیرہ میں جو کشت وخون ہوا ہے وہ اس کا ہزارواں حصہ بھی نہیں ہے جو اہلِ کفر نے کیا ہے۔ گویا ۹۹۹ قتل اہلِ کفر نے کئے ہیں جبکہ ایک مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا ہے وہ بھی ناگزیر اور با امرِ مجبوری ہوا ہے۔ بڑی حیرت ہوئی کہ اِس امریکہ کو لینے کے لئے جب برطانیہ سے انگریز گئے ہیں تو اُس زمانے میں دس کروڑ آدمی مارے ہیں اور آسٹریلیا کو قبضہ کرنے کے لئے ایک کروڑ مقامی آدمی مارے ہیں۔ اور چین کی بغاوتیں بہت ہیں۔ چین کے کروڑوں کا کُشت وخون بغاوتوں کا ہے اور پھر جنگِ عظیم اول و دوم کا ہے۔ وہ بھی عجیب وغریب ہے۔

جو تیئیس سالہ نبوی جہاد اور غزوے ہیں ان میں ایک ہزار اور تیس آدمی ہلاک ہوئے ہیں، کل گیارہ سو بھی نہیں بنتے۔ ان میں سے سات سو کفار ہیں اور تین ساڑھے تین سو کے قریب مسلمان ہیں۔ اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں دو اقدامی جہاد کئے ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش قدمی کی، ورنہ جتنے غزوے ہوئے ہیں ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے آئے ہیں اور آپ ﷺ نے اپنا دفاع کیا ہے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو دفعہ پیش قدمی کی ہے، ایک فتح مکہ کے لئے اور ایک غزوہ تبوک کے لئے۔

غزوہ تبوک اس طرح ہوئی کہ پتہ چلا کہ رومی حملہ کر رہے ہیں۔ رومیوں نے منصوبہ بنایا کہ اس سے پہلے کہ یہ مزید قوت بنیں ان پر حملہ کیا جائے اور ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔اس کی خبر آپ ﷺ کو ملی اور آپ ﷺ نے ایسی منصوبہ بندی فرمائی کہ کافی دور صحرا میں نکل کر اور تبوک کا پانی کا چشمہ اپنے پیچھے رکھ کر اور تبوک کے آباد علاقے کو اپنے پیچھے رکھ کر، جہاں سے سپلائی ہو سکتی تھی، پڑاؤ کیا۔ یہ ایسی سخت اہم جگہ (strategic point) تھی کہ اس جگہ پر رومی کتنا ہی لشکر کیوں نہ لاتے وہ جنگ نہیں لڑ سکتے تھے۔ یہ جگہ ایسی تھی جہاں آ کر لڑنا اور سپلائی لائن (supply line) بحال رکھنا ان کے بس میں نہیں تھا۔ اس میں آپ ﷺ نے دشمن کو بے بس کر کے بغیر کسی آدمی کو مارے فتح حاصل کی۔ ماہر جرنیل وہ ہوتا ہے جو اپنے سارے وسائل کو بچا کر دشمن کو بے بس کر دیتا ہے اور سارے نتائج حاصل کر لیتا ہے۔تو تبوک میں آپ ﷺ نے دشمن کو بے بس کیا۔ ان کے جرنیل، ماہرِ جنگ، حرب و ضرب کے جو ماہر تھے ان کو اندازہ تھا کہ جس جگہ آ کر یہ بیٹھے ہیں اس جگہ حملہ تو نہیں ہو سکتا کیونکہ اس جگہ تو جا کر لڑ نہیں سکتے۔ جب واپسی ہو رہی تھی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تھوڑی سی حسرت ہوئی کہ نہ تو مالِ غنیمت ملا نہ جنگ ہوئی، کیونکہ جنگجو آدمی کو لڑنے کا مزہ آتا ہے۔آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ دومتہ الجندل، جو اس علاقے کا بڑا شہر ہے اور رومیوں کا گورنر اس میں ہوتا ہے، چلے جائیں اور قلعے کے باہر گھات لگا کر بیٹھیں، چاندنی رات ہوگی اور رات کو گورنر قلعے کی دیوار پر سیر کے لئے بیٹھا ہوگا کہ ایک ہرن نکلے گا اور گورنر اس کے شکار کے لئے چھلانگ لگائے گا، جوں ہی چھلانگ لگائے اس کو گرفتار کر کے لے آؤ۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وہاں پر گھات میں بیٹھے ہوئے تھے، چاندنی پھیلی ہرن نکلا اور اس نے ادھر اُدھر چھلانگیں لگائیں، اس کے پیچھے گورنر نے چھلانگ

لگائی شکار کرنے کے لئے ،بس انھوں نے گورنر کو شکار کرلیا اور پکڑ لیا۔مذاکرات ہوئے تو ۸۰۰ نیزے، ۸۰۰ گھوڑے اور شاید ۸۰۰ تلواروں کا مطالبہ کیا کہ یہ دو گے تو اس کو آزاد کریں گے۔ اتنا مالِ غنیمت اللہ نے عطا فرمایا۔حربی کافر کا مال غنیمت ہوتا ہے اور سب سے حلال ترین مال ہوتا ہے اور جو مالِ غنیمت نہیں لیتا وہ بڑا بے غیرت ہوتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اقدامی جہاد یہ تھا جس میں دشمن کو بے بس کر دیا اور بغیر لڑے مقصد حاصل کرلیا۔

دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ والا اقدامی جہاد ہے۔فتح مکہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کو بے بس کر کے فتح حاصل کی ہے۔تبوک کو اہم جگہ (سٹریٹیجک پوائنٹ) کو پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح حاصل کی ہے اور مکہ مکرمہ کی فتح اخفا(secrecy) پر ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا گھیرا ڈالا ہے اور گھیرا ڈالنے کی رات تک کسی کو اطلاع نہیں ہوئی۔جس راستے پر لشکر چل رہا تھا اس راستے پر جو آدمی بھی گزرتا تھا اس کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ کر لیتے تھے کہ ہمارے ساتھ مکہ میں داخل ہو گے، ہم سے پہلے داخل نہیں ہو سکتے۔کوئی آدمی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ میں داخلے کو چھوڑا ہی نہیں جس نے بتایا ہوتا کہ لشکر آرہا ہے۔اور ابوسفیان نے جب سے معاہدہ توڑ دیا تھا تو چونکہ ماہر آدمی تھا وہ ہر روز آکر وادی کا جائزہ لیا کرتا تھا کہ ہم پر لشکر آسکتا ہے کیونکہ معاہدہ ہم نے توڑ دیا اور اب کوئی پابندی نہیں ہے۔جس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھیرا ڈالا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین سے فرمایا کہ جتنے چولہے جلا سکتے ہو جلاؤ، ورنہ عام طور پر تھوڑی آگ جلاتے ہیں، دس بیس آدمی یا سو آدمی مل کر کھانا پکانے کا بندوبست کرتے ہیں تاکہ تھوڑے آدمی کام کریں اور زیادہ سے زیادہ کام نکلے،لیکن اس دن فرمایا کہ جتنے زیادہ چولہے جلا سکتے ہو جلاؤ۔ابوسفیان نکلا تو دیکھا کہ وادی میں آگ ہی آگ ہے۔ماہر آدمی کو اندازہ ہوتا ہے کہ اگر ایک چولہے پر سو آدمی کا حساب لگائیں تو یہ تو ایک لاکھ کا لشکر

ہے، اگر پچاس سے حساب لگائیں تو پچاس ہزار کا لشکر ہے، اور اگر دس ہی بندے لگائیں تو دس ہزار کا لشکر تو ہے ہی۔ اب کیا کریں گے، چاروں طرف گھیرا ہے اور بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ اس نے سوچا کہ چلو میں خود جا کر جائزہ لیتا ہوں اس سے پہلے کہ میں جا کر خبر دوں اور خوف و ہراس پھیل جائے اور سارے لوگ ہتھیار ڈال دیں۔ جائزہ لینے جو اترا تو پہرے والی جماعت نے گرفتار کرلیا، پہچانتے نہیں تھے، گرفتار کر کے پیشی کے لئے لے جا رہے تھے کہ آگے سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ آ گئے۔ ابوسفیان عباسؓ کے دوست تھے، ان سے کہا کہ میرے لئے پناہ کا بندوبست کرو، انھوں نے کہا آپ میری پناہ میں ہو گئے۔ ان کو جب پیش کیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دور سے دیکھ کر ہی تلوار نکالی اور لہرائی اور کہا کہ میں ابھی اس کا سر اتارتا ہوں۔ عباسؓ نے اعلان کیا کہ میں انھیں پناہ دے چکا ہوں۔ پناہ کا اصول تھا کہ بس اب انھیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ابوسفیان نے ادھر اُدھر چاروں طرف حالات دیکھے تو اندازہ ہوا کہ اب سارا کھیل ختم ہو گیا اور اب سوائے اسلام قبول کرنے کے کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ ویسے آدمی سمجھدار تھا اور مختلف موقعوں پر اس کو اسلام کی حقانیت کا اندازہ ہو گیا تھا چنانچہ اسلام قبول کرلیا۔ صبح کے وقت حضور ﷺ نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ اپنے ساتھی کو لے کر فلاں تنگ جگہ پر کھڑے ہو جاؤ تا کہ لشکر کو گزرتے دیکھے۔ سارے لشکر کو اس کے سامنے سے مارچ کروائی۔ ایک پلاٹون گزری، پھر دوسری، پھر تیسری۔ ۲۳ مارچ کی پریڈ آپ نے دیکھی ہو گی، اب نہیں ہوتی، جو حکومت ۲۳ مارچ کی پریڈ نہ کروا سکے تو سمجھیں کہ وہ نمائندہ حکومت نہیں ہے، اس میں جب آرمرڈ کور (Armoured Core) گزرتی ہے، ٹینک گزرتے ہیں اور بکتر بند گاڑیاں گزرتی ہیں، تو فوج والے بڑے سُر میں ہوتے ہیں کہ آرمرڈ کور گزر رہا ہے۔ اس زمانے کا آرمرڈ کور رسالہ ہوتا تھا۔ آخر میں رسالہ گزرا جس میں گھڑسوار زرہ پہنے ہوئے اور خود سر پر رکھے ہوئے گزرے۔ اس پر ابوسفیانؓ نے عباسؓ سے کہا کہ تیرے بھتیجے کی تو زبردست حکومت ہے۔ انھوں نے جواب دیا حکومت نہیں یہ نبوت ہے۔ خیر ان

کو اندازہ ہوا کہ بس اب سوائے ہتھیار ڈالنے کے کوئی کام باقی نہیں رہا۔ عباسؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ابوسفیانؓ اپنی قوم کا سردار ہے اور اعزاز کو پسند کرتا ہے، اس کو ایک اعزاز دے دیں تا کہ اس کا بھی اعزاز ہو جائے اور قوم کو بھی ذرا فخر حاصل ہو جائے کہ ہم ہتھیار نہیں ڈال رہے۔ آپ ﷺ نے اعلان کر دیا کہ جو ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے گا اسے امان ہے، جو حرم شریف میں آ جائے گا اس کو بھی امان ہے، جو گھر کا دروازہ بند کرے گا اس کو بھی امان ہے۔ ڈاکٹر حمیدُ اللہ صاحب بڑے سکالر گزرے ہیں دنیائے اسلام کے، انھوں نے ایک دفعہ اس پر تقریر کی تو کہا کہ یہ اعزاز ہی وہ اعلان تھا جس نے مکہ مکرمہ والوں کی کمر توڑ دی۔ جب سب سے بڑا سردار ساتھی ہو گیا تو اور کون رہ گیا۔ یہ دو آپ ﷺ کے اقدامی جہاد ہیں جس میں دشمن کو بے بس کیا ہے۔

واقعی جب کفر کے ہاتھ میں اقتدار آ جاتا ہے تو انسان کو انسان ہی نہیں سمجھتا۔ اس کے نزدیک انسان کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے۔ اللہ ہی بچائے۔ تھوڑی سی آدمی ہمت کرے اور کمر باندھے تو اللہ مدد فرماتا ہے لیکن دنیائے اسلام ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے کہ ان کی کوئی ہمت ہی نہیں ہے۔ آپ کے فرمانروا ایسے بے ہمت ہیں اور امریکہ کے آگے ہتھیار ڈالے ہوئے ہیں کہ اس کے نتیجے میں یہ ساری مشکلات پیش آئی ہوئی ہیں۔ میرا ایک مہمان آیا تھا، اس نے کہا کہ مجھے تو امریکہ کی شہریت مل گئی ہے۔ میں نے کہا اللہ آپ کی حفاظت فرمائے، آپ لوگ عذاب اور تباہی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب یہ سب کچھ آپ کے اپنے لوگوں کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے۔ امریکہ کے قریب کیوبا (Cuba) کا جزیرہ ہے، وہ لوگ کمیونسٹ ہیں، چھوٹا سا جزیرہ ہے پر سر اٹھا کر کھڑے ہیں اور امریکہ ان کا کچھ نہیں کر سکا، اور تمہارے لوگ ان کو خود بلاتے ہیں، خود ان کے نمائندے اور ایجنٹ بنتے ہیں۔ اگر یہ تھوڑی سی ہمت کرتے تو یہ حالات نہ ہوتے۔

ملفوظاتِ شیخ ﴿ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہٗ﴾ (قسط۔۴۳)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

براہِ راست(Direct) عبادت اور (Indirect) بالواسطہ عبادت:

فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو صرف ایک مقصد کیلئے پیدا کیا ہے اور وہ مقصد عبادت ہے۔ عبادت دو قسم کی ہے ایک براہِ راست (Direct) عبادت اور ایک (Indirect) یعنی بالواسطہ عبادت۔ براہِ راست عبادت تو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، تلاوت، ذِکر، مراقبہ، اعتکاف، خدمتِ خلق اور دُعاء ہیں۔ جہاد ذرا وسیع معنیٰ میں ہے جہاد میں دِین کے فروغ کی ساری کوششیں ہیں جس سے دِین کا فروغ، دِین کو ترقی ہو رہی ہو ان سب کو جہاد کہتے ہیں۔ اس کا ایک شعبہ قتال بھی ہے.... لڑنا، یہ جہاد کا ایک شعبہ ہے، یہ تمام باتیں براہِ راست عبادت ہیں اور یہ عبادت کس نے کرنی ہے؟ یہ انسان نے کرنی ہے۔ انسان کو دو باتوں کی ضرورت ہے ایک اِس بات کی ضرورت ہے کہ اِس کی ذات باقی رہے جس کو کہتے ہیں بقائے ذاتی اور دوسری اِس کو اس بات کی ضرورت ہے کہ اِس کی نسل باقی رہے، بقائے نوعی۔ بقائے ذاتی کی اس کو ضرورت ہے، بقائے نوعی کی اس کو ضرورت ہے۔ بقائے ذاتی..... کھانے پینے کے ساتھ لگی ہوئی ہے لہٰذا کھانے پینے کی جتنی کوششیں ہیں جتنے ذرائع معیشت ہیں، یہ سارے کے سارے Indirect بالواسطہ عبادت میں آ گئے۔ یہ عبادت بالواسطہ ہیں کیونکہ انسان کو زندہ رکھنے کیلئے، جس نے عبادت کرنی ہے..... ضروری ہے۔ اور بقائے نوعی کیسے ہوگی؟ بقائے نوعی انسان کی تب ہو گی جب اِس کے اندر شادی بیاہ کا سلسلہ چلے گا تا کہ اِس کی نسل بھی باقی رہے، یہ بھی اِن ڈائریکٹ عبادت ہوگی۔ تو بقائے نوعی، بقائے ذاتی کے سارے اعمال جس وقت وجود میں آتے ہیں اُس سے پورا نظامِ زندگی وجود میں آ جاتا ہے۔ کاروبار ہے، زراعت ہے، بازار ہے، کھیتی باڑی ہے، انسان اکٹھے رہ رہے ہیں، اِن انسانوں کو حفاظت کی بھی ضرورت ہے، اس کے لئے پولیس ہو گی، اِن انسانوں کے جھگڑے ہوں گے اِن کو عدالت کی بھی ضرورت ہے یہ انسان بیمار ہوں گے اِن کو علاج

کی بھی ضرورت ہے۔غرض یہ کہ زندگی کے سارے شعبے وجود میں آگئے اِن انسانوں کے دشمن ہوں گے اِن کو فوج کی بھی ضرورت ہے یہ ساری باتیں اِن ڈائریکٹ عبادت ہوں گی اور گویا ڈائریکٹ عبادت اور اِن ڈائریکٹ عبادت کو ملا کر یہ بات سامنے آئی۔وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو سوائے اِس مقصد کے کسی اور مقصد کیلئے پیدا نہیں کیا کہ یہ عبادت کرے اب اِس مقصد کے بارے میں انسان کو رہنمائی کی ضرورت تھی اِس کی بقائے ذاتی ،بقائے نوعی کیلئے بھی جو کہ بالواسطہ اور براہِ راست عبادت ہیں۔تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اِس سلسلے میں دو نظام دیئے ہیں۔ایک نظام معیشت اور ایک نظام ہدایت۔

صبر و تحمل، برداشت ،معافی اور مشورہ یہ چار باتیں قوم کی ترقی اور کامیابی کی علامت ہوتی ہیں:

فرمایا کہ صبر وتحمل، برداشت ،معافی اور مشورہ یہ چار باتیں جس قوم میں ہوں، یہ اس کی ترقی اور کامیابی کی علامت ہوتی ہیں۔ Patience, Tolerance, Forgiveness, Negotiation اقبال نے ایک شعر کہا ہے:

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

میرے بھائی اسلحہ محض توپ، ٹینک، جہاز اور ایٹم بم ہی نہیں ہوتے بلکہ انسانوں کی صبرو تحمل کی صفات ہوتی ہیں۔اگر صفات سے انسان عاری ہے اُس میں صفات نہیں ہیں۔تو اس کے پاس اسلحے کے انبار لگالیں، چیزوں کے انبار لگالیں ،تو یہ کامیاب ہونے والے نہیں ہیں یہ چلنے والی قوم نہیں ہے بلکہ یہ ڈوبنے والی قوم ہے۔یہ چار صفات ہیں جو چلنے والی ،اُبھرنے والی، بڑھنے والی، چھا جانے والی قوم کے پاس ہوتی ہیں۔پہلی بات صبر ہوتا ہے ،دوسری بات برداشت ہوتی ہے۔اختلاف رائے کو، مخالف کو برداشت کرنا، اور تیسری بات معافی ہوتی ہے اور چوتھی بات مشورے اور مذاکرات کے ذریعے سے مسائل کو حل کرنا۔ یہ چار صفات ہوتی ہیں قوموں کی، جن

کے پاس یہ چار صفات ہوتی ہیں وہ بڑھتے ہیں، چلتے ہیں، چھاتے ہیں اور لوگوں کی قیادت اُن کے ہاتھ میں آتی ہیں۔ اور جن کے پاس یہ چار صفات نہ ہوں، ان کے پاس مال و دولت کے انبار ہوں، اسلحہ کے انبار ہوں، فوجوں کی یلغار ہو سب کچھ انکے پاس ہو، یہ چلنے والی قوم نہیں ہوتی۔ انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر گریبان پھاڑنا ہوتا ہے، ایک دوسرے کو مارنا ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور فرمایا کہ میں پناہ مانگتا ہوں امارت الصبیان سے یعنی لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں۔ صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ امارت الصبیان کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ساٹھ ہجری میں۔ ٹھیک ۶۰ ہجری میں یزید تخت پر بیٹھا، لوگوں نے اختلاف کیا، کیونکہ اختلاف رائے ہر معاشرے کا حق ہوتا ہے اور اختلاف رائے کی قدر کرنا، اختلاف رائے کے ساتھ دلائل سے بحث کرنا اور دلائل سے اس کو قائل کرنا اور قائل نہ کر سکے تو قائل ہو جانا، یہ عقلمندی اور دانشمندی کی علامت ہوتی ہے۔ پشتو کا محارہ ہے کہ "پَڑمے کہ مَڑمے کہ" (مجھے قائل کر دو بیشک پھر مجھے قتل کر دو) اس میں پشتو زبان کی دو ہزار سالہ دانشوری بند ہے۔ یا قائل ہو یا قائل ہو جاؤ۔ اگر میرے پاس دلائل ہیں تو تُو قائل ہو جا اور دلائل نہیں ہیں تو دانشوری اور دانشمندی اس بات میں ہے کہ میں قائل ہو جاؤں ورنہ اُلٹے منہ گرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ دلائلِ حق کے سامنے قائل نہ ہونا، ہتھیار نہ ڈالنا، یہ آدمی کی انتہائی بیوقوفی کی علامت ہوتی ہے۔ یزید کے ساتھ اختلاف ہوا کئی لوگوں نے اختلاف کیا اب ایک طریقہ کار یہ تھا کہ اختلاف والوں کی رائے کی قدر کر کے اس پر بحث کی جائے اور انکے تحفظات کو دُور کیا جائے۔ اُن کے اعتراضات کا خاتمہ کیا جائے تا کہ یہ اختلاف ختم ہو جائے لیکن یزید کے سامنے ایک بات تھی کہ میں نے حکومت کی رِٹ (Writ) قائم کرنی ہے۔ خود اُس کی عمر ۳۲ سال جبکہ اُس کے سپہ سالار عبداللہ بن زیاد کی عمر بائیس سال۔ اُن کو کیا پتہ ہے کہ نواسۂ رسول ﷺ کیا چیز ہے اور ان کا کیا مقام ہے؟ اُن کو کیا پتہ ہے کہ علم کیا ہے اقدار کیا ہیں؟ نواسۂ رسول ﷺ کا مقام کیا ہے؟ دنیائے

اسلام کیا ہے؟ اُس کی چار ہزار فوج نے بہتر (۷۲) آدمیوں کو گھیر لیا۔ حضرت حسین ؓ اُن سے کہہ رہے ہیں کہ مجھے اپنے سربراہِ مملکت... یزید تک پہنچاؤ تا کہ میں اُس کے ساتھ مذاکرات کروں اور مذاکرات کے بعد میں کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا ہوں، میں لڑنا نہیں چاہتا۔ لیکن اُنھوں نے تو کارنامہ سرانجام دینا تھا۔ یعنی دنیائے اسلام کی یہ ایک شرمناک حرکت کرنی تھی کہ چار ہزار آدمیوں نے بہتر آدمیوں کو گھیرا اور جب اُنھوں نے پہلا مطالبہ کیا کہ ہمارے پاس مقابلے کے لیے ایک ایک کر کے آؤ۔ جب اس طرح یزید کے بہت سے آدمی قتل ہوئے تو انہوں نے مشورہ کیا کہ ایک ایک کر کے جاؤ گے تو جس جذبے کے ساتھ وہ لڑ رہے ہیں اُن کے آگے نہیں ٹھہر سکو گے۔ تو پھر انہوں نے یکبارگی حملہ کیا اور سب کو شہید کیا۔ بڑا کارنامہ سرانجام دیا اور شام کو اعلان کیا کہ ہم چار ہزار نے بہتر آدمیوں کو مار دیا اور ہم نے یزید کی حکومت کی رِٹ قائم کر دی ہے۔

اس کے ردِعمل میں اہلِ مدینہ کھڑے ہو گئے اور اعلان کیا کہ دین کے شعائر کا مرکز مکہ مکرمہ ہے اور دین کا مرکز مدینہ منورہ ہے، یہ بڑے نکتے کی بات ہے۔ شعائرِ دینیہ حج عمرہ، اللہ کے گھر کا طواف یہ تو مکہ مکرمہ میں ہیں لیکن دین کا مرکز مدینہ منورہ ہے لہٰذا چاروں کی چاروں خلافتوں میں اس اُصول کو مانا ہوا تھا کہ خلیفہ کا قائم کرنا اور ہٹانا یہ بنیادی طور پر مدینہ والوں کا حق ہے، مدینہ والے واقعہ کربلا سے بہت متاثر تھے بلکہ ساری دنیائے اسلام متاثر تھی۔ اُنھوں نے یہ اعلان کر دیا کہ ہم اپنا حق استعمال کرتے ہوئے یزید کو معزول کرتے ہیں۔ اب پھر دو باتیں تھیں۔ ایک علاقہ ہے کہ جس میں اہل علم ہیں، اہل عمل ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین ہیں۔ اہل رائے ہیں، اُنکی سوچ وفکر ہے اب اس اختلاف رائے کی قدر کی جائے۔ اُن کے ساتھ آ کے مذاکرات ہوں یا آپ قائل کریں اُن کو، یا قائل ہو جائیں۔ یزید نے پھر یہ اُصول لیا کہ حکومت کی رِٹ قائم کرنی ہے اور مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا اور تین دن تک کشت وخون کرایا جس میں سترہ سو صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین اور تابعین شہید ہوئے۔ یزید کی فوج کے گھوڑے دوڑتے ہوئے مسجد نبوی ﷺ کے صحن تک آئے۔ حدیث شریف ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہوا ہے کہ جو مدینہ والوں کو تنگ کرے

گا، پریشان کرے گا وہ ایسا پگھل جائے گا جیسے پانی میں نمک پگھلتا ہے۔اس کے بعد تیسرا اختلاف حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا آیا کہ مکہ مکرمہ میں اہلِ مکہ یزید کی حکومت کو نہیں مانتے۔پھر دو باتیں سامنے تھیں۔ایک رائے یہ تھی کہ اس اختلاف کی قدر کی جائے اُن کے ساتھ مذاکرات کئے جائیں، ان کے تحفظات اور اعتراضات کو دُور کیا جائے، وہ جن باتوں کو دُرست کرنا چاہتے ہیں اُن کو دُرست کیا جائے۔ان میں تو کوئی بزرگ ایسے نہیں تھے جو کہتے کہ مجھے حکومت دو، کیا آپ ایسا سوچ سکتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جذبہ یہ تھا کہ میں حکومت کرنا چاہتا ہوں۔مجھے حکومت نہ ملی تو کوئی کام ٹھیک نہیں ہوگا۔بلکہ یہ اُصولوں کی جنگ تھی کہ وہ کچھ اُصول منوانا چاہتے تھے کہ اگر ان اُصولوں کے تحت آپ چلیں تو آپ حکومت کریں۔یہ اُن اُصولوں کی جنگ تھی جو قرآن و حدیث نے متعین کئے تھے، جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے بتائے تھے۔پھر یزید کو مذاکرات والے راستے کی توفیق نہ ہوئی۔حکومت کی رِٹ قائم کرنے کے لیے پھر فوج آگئی اور منجنیق سے اتنے پتھر پھینکے ہیں کہ بیت اللہ شریف کی دیوار گری، بیت اللہ شریف کا غلاف جلا اور مکہ مکرمہ کے لوگوں کو ہراساں کیا گیا، ابھی یہ محاصرہ جاری تھا کہ پیچھے سے اطلاع آئی کہ یزید موذی مرض میں مبتلا ہوا اور اپنا سر کھا گیا۔

ع ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے

حکومت کفر سے قائم رہتی ہے حکومت ظلم سے قائم نہیں رہتی، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

لٰہذا آگے بڑھنے اور ترقی کرنے والے لوگ کون ہوتے ہیں جن کے پاس چار ہتھیار ہوتے ہیں۔ان کے پاس صبر ہوتا ہے انکے پاس تحمل و برداشت ہوتا ہے ان کے پاس معافی ہوتی ہے اور ان کے پاس اپنے کاموں کو مذاکرات اور مشورہ کے ذریعے سے حل کرنا ہوتا ہے Patience, Tolerance, Forgiveness and Negotiation. These are four weapons which are symbol of success. یہ ترقی کی اور کامیابی کی علامت ہوتے ہیں۔

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

امہات المؤمنین

(زوجۂ ڈاکٹر جاوید صاحب، انجینئرنگ یونیورسٹی پشاور)

اہل اللہ حضرات کی صحبت سے محروم عام دیندار افراد بعض اوقات صحابہ کرامؓ کے بارے میں الفاظ استعمال کرتے ہوئے حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال امہات المؤمنین کے بارے میں یہ غلط سوچ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے حسد کرتی تھیں۔ یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے۔ میں کچھ واقعات (سیرت حضرت عائشہ صدیقہؓ تالیف سید سلیمان ندویؒ) قلم بند کرتی ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ ان میں رشک کا جذبہ تھا نہ کہ حسد کا۔

۱) حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ کے زمانہ میں گو زندہ نہ تھیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں ان کی یاد ہمیشہ زندہ رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حضرت عائشہؓ سے ان کا ذکرِ خیر کیا کرتے۔ وہ خود بیان کرتی ہیں کہ ''جس قدر خدیجہؓ پر مجھ کو رشک آتا ہے کسی بی بی پر نہیں آتا تھا۔ اور یہ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت یاد کرتے تھے۔ اور سال میں ایک مرتبہ ان کی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ان کی تمام سہیلیوں کو تحفہ بھیجتے تھے۔

۲) حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ آگے پیچھے ایک ساتھ نکاح میں آئیں۔ ایک ہجری میں جب حضرت عائشہؓ رخصت ہو کر آئیں تو حضرت سودہؓ سوکن موجود تھیں۔ ان حالات میں عموماً ایک دوسرے کو اپنے حق میں خلل انداز تصور کر سکتی تھیں لیکن نتائج اس قیاس طبعی کے بالکل برخلاف ہیں۔ تمام واقعات باہمی اتحاد کے موید ہیں۔ اکثر خانگی مشوروں میں وہ حضرت عائشہؓ کی رفیق تھیں۔ دو چار برس کے بعد جب وہ بوڑھی ہوگئیں تو ان کو خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کہیں طلاق نہ دے دیں اور شرفِ محبت سے محروم ہو جائیں۔ اس بناء پر انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی۔ اور انہوں نے خوشی سے قبول کر

لیا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی وہ بے حد معترف تھیں۔ فرماتی تھیں کہ ''سودہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس قالب میں میری روح ہوتی، گو ان کے مزاج میں تھوڑی تیزی ضرور تھی''

۳) حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں ایک معاملہ کے متعلق ناگوار حد تک گفتگو پہنچ گئی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کو دہراتی ہیں لیکن حسنِ نیت اور پاک باطنی کو دیکھو کہ ساتھ ساتھ ان کی تعریف بھی کرتی جاتی ہیں۔ کہتی ہیں کہ اس کے بعد زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش آئیں۔ تمام بیویوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قدر ومنزلت میں انہی کو میری برابری کا دعویٰ تھا۔ میں نے کوئی عورت زینب رضی اللہ عنہا سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیز گار، زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض سخی، مخیرّ، اور اللہ کی تقریب جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی۔ فقط مزاج میں ذرا تیز تھیں جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔

۴) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو کھانا پکانے میں خاص سلیقہ تھا۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں نے ان سے بہتر کھانا پکانے والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔ ایک دن دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانا پکایا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا کھانا جلد تیار ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تھے انہوں نے وہیں ایک لونڈی کے ہاتھ کھانا بھجوا دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی محبت کی بربادی دیکھ کر جھنجھلا اٹھیں اور ایک ایسا ہاتھ مارا کہ لونڈی کے ہاتھ سے پیالہ چھوٹ کر گر پڑا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے ساتھ پیالہ کے ٹکڑوں کو چننے لگے اور خادمہ سے فرمایا کہ ''تمہاری ماں کو غصہ آگیا'' چند لمحوں کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی فعل پر ندامت ہوئی۔ عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جرم کا کیا کفارہ ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایسا ہی پیالہ اور ایسا ہی کھانا'' چنانچہ نیا پیالہ ان کو واپس کیا گیا۔

صحابہؓ کی کرامت

(منتخب از مشہا داتِ بلادِ اسلامیہ مصنفہ: محمودہ عثمان حیدر انتخاب وترتیب: خوشحال)

محترمہ محمودہ عثمان حیدر صاحبہ نے ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۳ء تک کے چھ سال اپنے شوہر محترم جناب سید عثمان حیدر صاحب کے ہمراہ مشرقِ وسطیٰ میں گزارے تھے۔ جناب سید عثمان حیدر صاحب ہندوستان کی انگریز حکومت کے سفارت کار کی حیثیت سے مشرقِ وسطیٰ کے مختلف ملکوں میں مقیم رہے۔ اس وقت ترکی میں کمال اتاترک، عراق میں شاہ فیصل اور ایران میں رضا شاہ پہلوی کی حکومت تھی۔ ۱۹۳۳ء میں سلمان پارک بغداد کے قریب ایک مقام سے دو جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اجسادِ خاکی کو منتقل کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس موقع پر سید عثمان حیدر صاحب اوران کی اہلیہ محمودہ عثمان حیدر صاحبہ بھی عراق میں ہندوستان کے سفارت خانہ میں متعین تھے اور اس واقعے کے چشم دید گواہ ہیں۔ محترمہ محمودہ عثمان حیدر صاحبہ نے یہ واقعہ اپنی کتاب ''مشہا داتِ بلادِ اسلامیہ'' میں تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ بعد کے صفحات میں ہے۔ یہ کتاب ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اجساد کے منتقلی کے واقعہ کا نظارہ کرنے کے بعد ان کے تاثرات ان کے اپنے قلم سے درج ذیل ہیں۔ ''اب تک بزرگوں کی زبانی ہی سنا تھا اور کتابوں میں پڑھا تھا کہ فلاں بزرگ نے ایسا وعظ کیا کہ بے شمار کافر مسلمان ہو گئے اور فلاں بزرگ نے مناظرہ میں ایسا سما باندھا کہ بے شمار نصرانی اور یہودی دولتِ ایمان سے مالا مال ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ بھی ہم نے اپنی گنہگار آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اس واقعہ کے فوری بعد بغداد میں کھلبلی مچ گئی اور بے شمار یہودی اور نصرانی بلا کسی جبر کے اپنے جہل و گمراہی پر افسردہ اپنے گناہوں پر نادم، ترساں ولرزاں جوق در جوق مسجدوں میں قبولِ اسلام کے لئے آتے تھے۔ اور مطمئن شاداں و فرحاں واپس جاتے تھے۔ اس موقع پر مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعداد اتنی تھی کہ ان کا اندازہ لگانا آسان نہیں''۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبداللہ کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے سلمان پارک کے قریب ایک غیر آباد جگہ پر تھے۔ محمودہ عثمان

حیدر صاحبہ کے قیام کے دوران بغداد میں ان دونوں جلیل القدر اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنھما کو پرانے مزارات سے نکال کر دوبارہ تدفین کی گئی۔ یہ واقعہ آج دنیا میں صداقتِ اسلام کی زندہ مثال ہے جس کی تصدیق کے لئے نہ صرف محمودہ عثمان حیدر صاحبہ اوران کے شوہر بلکہ لاکھوں آدمی اس وقت موجود تھے۔واقعہ یوں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خواب میں شاہ فیصل (شاہ عراق) سے خواہش ظاہر کی کہ ہم دونوں کواصل مقام سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے ذرا فاصلے پر دفن کر دیا جائے، کیونکہ میرے مزار میں پانی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کے مزار میں نمی شروع ہوگئی ہے۔ دوسری شب پھر شاہ فیصل کواسی طرح کا ارشاد ہوا لیکن وہ حسبِ سابق بھول گئے۔ تیسری شب حضرت حذیفہ الیمانی رضی اللہ عنہ نے عراق کے مفتی اعظم کواس غرض سے ہدایت کی۔ نیز فرمایا کہ ہم دوراتوں سے بادشاہ سے برابر کہہ رہے ہیں لیکن وہ مصروفیت کی بناء پر بھول جاتا ہے۔ یہ تمہارا فرض ہے کہ اسے اس طرف متوجہ کراؤ۔اس سے کہہ کر ہمیں قبروں سے منتقل کرانے کا فوری بندوبست کراؤ۔ چنانچہ اگلے روز صبح مفتی اعظم صاحب نے بادشاہ سے ملاقات کی اوراپنا خواب بیان کیا تو بادشاہ نے کہا کہ بے شک میں نے دوراتوں کومتواتر انہیں خواب میں دیکھا ہے اور ہر بار انہوں نے مجھے بھی یہی حکم دیا ہے۔اب آپ ہی بتائیں کہ کیا کرنا چاہئے۔ مفتی اعظم صاحب نے کہا کہ وہ صاف الفاظ میں کہہ رہے ہیں کہ ہم دونوں کو وہاں سے نکال کر دریا سے ذرا فاصلہ پر کہیں دفن کردو۔اب اس سے زیادہ واضح بات اور کیا ہوسکتی ہے؟ شاہ فیصل نے کہا کہ میرا خیال ہے بطور احتیاط پہلے اس کی تصدیق کرالی جائے کہ آیا دریا کا پانی اس طرف آ بھی رہا ہے یا نہیں؟ مفتی اعظم صاحب اس پر رضامند ہوگئے۔ چنانچہ عراق کے محکمہ تعمیرات عامہ کے چیف انجینئر کوشاہی فرمان جاری ہوا کہ مزارات سے دریا کے رخ پر ۲۰ فٹ کے فاصلے پر بورنگ کرا کے معلوم کیا جائے کہ آیا دریا کا پانی اس طرف رس رس کر آرہا ہے یا نہیں اور شام تک رپورٹ پیش کردی جائے۔ مفتی اعظم صاحب اس پر رضامند ہوگئے۔ چنانچہ تمام دن جگہ جگہ کھدائی کی گئی لیکن پانی تو درکنار، کافی نیچے سے جو مٹی نکلی، اس میں بھی نمی تک نہیں تھی۔ مفتی اعظم صاحب تمام دن وہاں خود موجود رہے اور تمام کاروائی بذات

خود دیکھتے رہے۔ غرض یہ کہ مایوسی ہوئی۔ شام کو بادشاہ کو اطلاع دیدی گئی۔ اسی رات حضرت حذیفہ الیمانی ؓ نے پھر خواب میں بادشاہ کو تاکید کی کہ ہمیں ہٹاؤ۔ جلدی کرو۔ دریا کا پانی ہماری مزارات میں جمع ہونا شروع ہو گیا ہے۔ بادشاہ کو چونکہ رپورٹ مل ہی چکی تھی۔ اس نے کہا کہ یہ محض خواب ہے اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ چنانچہ اس نے اس بار پھر اس خواب کو نظر انداز کر دیا۔ اگلے روز حضرت حذیفہ الیمانی ؓ مفتی اعظم صاحب کے خواب میں تشریف لائے اور ان سے بھی وہی کہا اور سختی سے کہا کہ ہم کہہ رہے ہیں کہ ہمیں یہاں سے جلد از جلد منتقل کرو۔ پانی ہے کہ ہمارے مزارات میں گھستا چلا آرہا ہے۔ مفتی اعظم صاحب صبح ہراساں پریشان قصرِ شاہی پر پہنچے اور بادشاہ کو پھر اپنے خواب سے مطلع کیا۔ بادشاہ جھلا اٹھا، اس نے کہا کہ مولانا! آپ خود ہی سوچئے کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟ آپ خود ہی وہاں تمام دن رہے اور کاروائی بھی ساری آپ کے سامنے ہوتی رہی۔ ماہرین کی رپورٹ بھی آچکی ہے کہ پانی تو درکنار وہاں نمی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اب مجھے پریشان کرنے سے اور خود پریشان ہونے سے کیا فائدہ؟ جائیے آرام کیجئے۔ مفتی اعظم صاحب نے کہا کہ بے شک ساری کاروائی میرے سامنے ہوئی اور جو رپورٹ آئی وہ بھی میرے علم میں ہے لیکن آپ کو اور مجھے متواتر حکم ہو رہا ہے اب خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو آپ مزارات کھلوا دیجئے۔ شاہِ عراق نے کہا کہ بہت اچھا۔ آپ فتویٰ دیدیں، مفتی اعظم صاحب نے صحابہ کرام ؓ کے مزارات کھولنے کا اور انہیں وہاں سے منتقل کرنے کا وہیں بیٹھے بیٹھے فتویٰ دیدیا۔ چنانچہ یہ فتویٰ اور شاہ عراق کا فرمان اخبارات میں شائع کر دیا گیا کہ بروز عید قربان بعد نماز ظہر محترم صحابہ کرام ؓ کے مزارات کھولے جائیں گے۔ اخبارات میں فتویٰ اور فرمان کا چھپنا تھا کہ تمام دنیائے اسلام میں جوش و خروش پھیل گیا۔ دنیا کی خبر رساں ایجنسیوں نے اس خبر کی تمام دنیا میں تشہیر کر دی۔ حج کے موقع پر تمام دنیا کے مسلمان مکہ معظّمہ آئے ہوئے تھے، انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ مزارات عید قربان سے کچھ روز بعد کھولے جائیں تاکہ ہم بھی شرکت کر سکیں۔ ادھر ایران، ترکی، مصر، شام، لبنان، فلسطین، حجاز، بلغاریہ، شمالی افریقہ، روس، ہندوستان وغیرہ ممالک سے شاہِ عراق کے نام تاروں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا کہ ہم

جنازوں میں شرکت کرنا چاہتے ہیں، براہِ کرم کچھ روز کی مہلت دیجئے۔ایک طرف تمام دنیائے اسلام کا پیہم ،اصرار اور دوسری طرف خوابوں میں عجلت کی تاکید۔سوال یہ پیدا ہوا کہ جو پانی مزارات میں رِس رہا ہے تو رسم کو ملتوی کرنے سے مزارات کو نقصان نہ پہنچ جائے۔چنانچہ مفتی اعظم کے مشورے سے دریا کے رخ پر ۱۰ فٹ کے فاصلے پر احتیاطاً ایک طویل اور گہری خندق کھدوا کر سیمنٹ اور بجری بھروادی گئی۔ساتھ ہی دوسرا فرمان جاری ہوا جس میں کہا گیا کہ مسلمانانِ عالم کی خواہش پر اب یہ رسم عید قربان کے دس روز بعد ادا ہوگی۔مداین جیسے شہر کے گلی،کوچے، بازار ،میدان، صحرا میں دور دور تک لوگوں پَٹ گئے، نیز حکومتِ عراق نے بھی ہر قسم کی سفری پابندی اور شرائط خصوصی طور پر ان دس دنوں کے لئے نہایت آسان کر دیں۔دونوں مزارات کے گرد کافی گہری اور دور تک پہلے ہی گھدائی کر لی گئی تھی اور ایک طرف سے مزارات کی طرف ڈھلان رکھ دی گئی تھی تا کہ کرین کا پھل جو پھاوڑے کے پھل سے مشابہ تھا ڈھلان کی طرف آکر مزار کے فرش کو کاٹتا ہوا نعش ہائے مبارک کو زمین پر سے اٹھا لے۔کرین کے پھل پر اسٹریچر پہلے ہی کس دیا گیا تھا تاکہ نعش ہائے مبارک کو تابوت میں رکھنے میں سہولت رہے۔دوشنبہ کے دن ۱۲ بجے کے بعد لاکھوں نفوس کی موجودگی میں مزارات کھولے گئے تو معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ الیمانی ؓ کے مزار میں کچھ پانی آچکا تھا اور حضرت جابر ؓ کے مزار میں نمی پیدا ہو چکی تھی۔حالانکہ دریائے دجلہ وہاں سے دو فرلانگ دور تھا۔تمام لوگوں اور اہل حکومت کی موجودگی میں پہلے حضرت حذیفہ الیمانی ؓ کی نعش مبارک کو کرین کے ذریعہ زمین سے اس طرح اوپر اٹھایا گیا کہ ان کی نعش مبارک کرین پر نصب کئے ہوئے اسٹریچر پر خود بخود آگئی۔اب کرین سے سڑیچر کو علیحدہ کرکے شاہ فیصل (شاہ عراق) مفتی اعظم عراق، وزیر مختارِ ترکی اور شاہ فاروق (ولی عہد مصر) نے کندھا دیا اور بڑے احترام سے ایک شیشے کے تابوت میں رکھ دیا پھر اسی طرح حضرت جابر ؓ کے نعشِ مبارک کو مزارِ مبارک سے نکالا گیا۔نعش ہای مبارک کا کفن حتیٰ کہ ریش ہای مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے۔ لاشوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال قبل کی نعشیں ہیں بلکہ گمان یہ ہوتا تھا کہ

شاید انہیں رحلت فرمائے دو تین گھنٹے سے زائد وقت نہیں گزرا۔ سب سے عجیب بات تو یہ تھی کہ ان دونوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پر اسرار چمک تھی کہ بہتوں نے چاہا کہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں لیکن ان کی نظریں اس چمک کے سامنے ٹھہرتی نہ تھیں۔ ٹھہر بھی کیسے سکتی تھیں۔؟ بڑے بڑے ڈاکٹر یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ایک جرمن ماہرِ چشم جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا، اس تمام کاروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ اس نے جو یہ دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ اس منظر سے کچھ اتنا بے اختیار ہوا کہ ابھی نعش ہائے مبارک تابوتوں میں ہی رکھی گئی تھیں کہ آگے بڑھ کر مفتی اعظم صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ آپ کے مذہبِ اسلام کی حقانیت اور ان صحابہ کرام کی بزرگی کا اس بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔ لائیں مفتی اعظم صاحب ہاتھ بڑھائیں، میں مسلمان ہوتا ہوں۔ **لاالہ الااللہ محمد الرسول اللہ** (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس کتاب کی فوٹو کاپی ادارے کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

(صفحہ ۲۰ سے آگے)

اُولوالعزم رسُول اور نبی پیغمبر:

فرمایا کہ انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں سے پانچ اُولوالعزم پیغمبر ہیں، تین سو تیرہ رسُول ہیں اور باقی نبی ہیں۔ رسُول اُس کو کہتے ہیں جو نئی شریعت لے کر آتا ہے، نبی اُس کو کہتے ہیں جو پہلے سے ہی چلی ہوئی شریعت کو لے کر چلتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی تورات پر ستر ہزار پیغمبر آئے ہیں جنھوں نے تورات کو بطورِ شریعت کے چلایا ہے۔ تورات کافی عرصہ تک چلتی رہی۔ ۳۱۳ رسُول ہیں جن میں سے پانچ اُولوالعزم پیغمبر (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم (۲) ابراھیمؑ (۳) نوحؑ (۴) موسیٰؑ (۵) عیسیٰؑ ہیں۔ باقی تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہیں۔ معراج میں مسجدِ اقصیٰ میں سب انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امامت کروا کر اِس بات کا اعلان کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاءؑ کے امام ہیں اور وہ درجہ اول جو گروہ انبیاء میں اگر کسی کو ملنا تھا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آیا۔　　(جاری ہے)

بالاکوٹ کا سالانہ اجتماع

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ)

سلسلہ کا سالانہ اجتماع ہر سال کسی ٹھنڈے پہاڑی علاقہ میں منعقد کیا جاتا ہے۔اس دفعہ کا سالانہ اجتماع بالاکوٹ کی مرکزی جامع مسجد میں ہوا۔ یہ مسجد دریائے کنہار کے کنارے واقع ہے۔ بہت ہی خوبصورت اور پر فضا مقام ہے۔ یہ اجتماع بالاکوٹ کے دینی اور روحانی لحاظ سے مشہور قاضی خاندان کے موجودہ سربراہ جناب حضرت مولانا قاضی خلیل احمد صاحب کی مہربانی سے منعقد ہوا۔ اجتماع شروع ہونے سے پہلے جمعہ کی تقریر میں جناب قاضی صاحب نے ہمارے سلسلے کا تفصیلی تعارف کرایا اور مقامی حضرات کو بیانات میں شامل ہونے کی ترغیب دی جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور مقامی لوگ خوب ذوق وشوق سے بیٹھتے رہے۔ جناب قاضی صاحب دینی ، سیاسی ، سماجی لحاظ سے اہم شخصیت ہونے کی وجہ سے بہت مصروف رہتے ہیں لیکن شفقت فرماتے ہوئے ہفتے کے دن تقریباً تین گھنٹے کا وقت نکال کر ہمارے ساتھ گزارا ، سب ساتھیوں کے ساتھ مصافحہ کیا، مخصوص موجود ساتھیوں سے خطاب فرمایا اور ظہر کی نماز ہمارے ساتھ پڑھی۔

بالاکوٹ کی یہ مسجد قاضی صاحب کے بقول تیسری مرتبہ تعمیر ہوئی ہے۔ پہلی تعمیر ایک سیلاب میں بہہ گئی تھی جبکہ دوسری تعمیر بالاکوٹ کے مشہور زلزلہ کی نذر ہو گئی تھی۔ قاضی صاحب کی ہمت اور علاقے کے لوگوں کا تعاون کہ تیسری دفعہ کروڑوں روپے کے خرچ سے بہت اعلیٰ تعمیر ہو گئی ہے۔ اس تعمیر کا سارا چندہ مقامی لوگوں نے ہی مہیا کیا ہے۔

مسجد بہت کشادہ تھی ، وضو استنجا کا بہت ہی اعلیٰ بندوبست تھا۔ جبکہ تہہ خانے باورچی خانہ اور ساتھیوں کو کھانا کھلانے کے لئے کافی وسیع تھے۔ امن وامان کی وجہ سے رات کو پہرہ

دینے کی نوبت بھی نہیں آئی۔ موسم بہت خوشگوار رہا جس سے سب ساتھی لطف اندوز ہوئے۔ بیانات اور تعلیم کی مجالس بہت پُرسکون ہوئیں۔

پہلا بیان مغرب تا عشاء جناب ڈاکٹر طارق صاحب کا ہوا۔ صبح کا بیان جناب قاضی فضل واحد صاحب کا ہوا۔ دو دفعہ تعلیم ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب نے کی۔ یہ تعلیم احیاء العلوم سے کی گئی۔ دو بیانات بندہ کے ہوئے۔ آخری دن جناب مشتاق صاحب، جناب ندیم صاحب اور فضل الرحمٰن صاحب نے بہت ذوق وشوق کے ساتھ اردو نعتیں، کلامِ اقبال، مولانا جامیؒ کی فارسی نعت اور قصیدہ بردہ شریف پڑھے۔ تینوں حضرات نے اپنی خداداد خوش الحانی سے جادو کا سماں پیدا کیا۔ جبکہ بزرگوں کا کلام بزرگوں کے قلوب کے ذوق وشوق، عقیدت اور سوز وگداز کی پھوار کو مجمع پر بکھیر رہا تھا۔ سارا ہی مجمع دم بخود تھا۔ کسی مدرسے سے آئے ہوئے سبع عشرہ کے قاری صاحب نے کچھ آیات کی چار روایتوں پر تلاوت کی اور اہلِ علم کو بہت محظوظ کیا جبکہ عام مجمع بھی لطف محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

وادئ بالاکوٹ مشہدِ شہداء ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے بہت ہی پرکشش تھی۔ حضرتِ والا رحمہ اللہ تعالیٰ، مجددِ وقت شاہِ خانوادۂ سادات جناب سید احمد شہید کے لئے ایصالِ ثواب کیا۔ حق وصداقت کی تیغِ بے نیام اور خانوادۂ شاہ ولی اللہؒ کے یادگارِ رانام شخصیت جناب شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گروہ در گروہ ساتھیوں نے حاضری کی اور ایصالِ ثواب کیا۔ سب شہدائے بالاکوٹ کے لئے عمومی ایصالِ ثواب اور دعا کی گئی۔ دورانِ بیان جب شہداءِ بالاکوٹ کے جہاد کا تذکرہ ہوا تو جذب وشوق سے کئی حضرات کی زبان سے بے اختیار نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

طریقۂ تصوف

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں قرآنِ مجید نے تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب، تعلیمِ حکمت اور تزکیہ کا تذکرہ کیا ہے۔

هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلاً مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ وَ اِنۡ کَانُوۡ مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ٥ (جمعہ:۲)

ترجمہ: وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں انہی (کی قوم) میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور اُن کو (عقائدِ باطلہ اور اخلاقِ ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور اُن کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں جس میں سب علومِ دینیہ آگئے) سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔ (معارف القرآن)

یہ فرائض مدارس میں درس و تدریس، عوام میں دعوت و تبلیغ اور طلب اور ذوق و شوق والوں میں بذریعہ بیعت و تلقین انجام پاتے ہیں۔ طہارت اپنے جسم، کپڑوں اور نماز کی جگہ کو ظاہری نجاستوں سے پاک کرنے کہتے ہیں۔ جبکہ تزکیہ دل کے باطنی نجاستوں سے پاک کرنے کو کہتے ہیں۔ شروع دور میں چاروں کام بیک وقت انجام پاتے تھے۔ خود حضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ چاروں صفات کے حامل تھے اور اپنے شاگردوں کو چاروں چیزیں سکھا کر انہیں منتقل کر دیتے تھے۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ ہر چیز میں تبدیلی آئی۔ پہلے جیسے کاملین اور استعداد والے لوگ نہ رہے۔ اس لئے ہر شعبہ میں جدا جدا افراد نے محنت مجاہد کر کے اسے حاصل کیا اور آگے سکھانے لگے۔ چنانچہ تلاوت کے لئے قاری حضرات کی جماعت اور تعلیم و حکمت کے لئے علماء کی جماعت میدان میں آئی۔ جبکہ تزکیہ کے لئے مشائخِ طریقت نے بہت مجاہدات سے گزر کر تزکیہ حاصل کیا اور اسے آگے لوگوں کو سکھایا۔ مشائخ کی ترتیب تصوف کے نام سے موسوم ہو کر مشہور ہوئی اور اپنی تاثیر کی بنیاد پر بہت مقبول ہوئی۔ کیا عوام کیا خواص، کیا غربا کیا مالدار یہاں تک کہ مملکتوں کے فرمان روا اہلِ تصوف کے مداح و قدردان اور خادم نظر آنے

لگے۔مال و دولت نیز ملک و سلطنت اہلِ تصوف کے قدموں میں رلتے دکھائی دینے لگے۔

اس چیز سے وہ لوگ جن کا مقصد دنیا ہوتا ہے اس طرف متوجہ ہو گئے اور اس راستے سے اپنے دنیا کے مقاصد حاصل کرنے کا سوچنے لگے۔ طریقہ تصوف کا تو بنیادی طور پر اخلاص اور رضائے الٰہی پر دارمدار ہے، جبکہ اس کے حاصل کرنے میں زبردست مجاہدات سے گزرنا ہوتا ہے جس کی وجہ سے نفس کی خوب رگڑا رگڑی ہوتی ہے۔ اہلِ دنیا کی تو پہلے دن سے ہی نیت فاسد اور بنیادی مقصد مقبولیت اور فوائد ومنافع حاصل کرنے کی ہوتی تھی اس لئے مجاہدہ اور نفس کی رگڑا رگڑی سے گزرنا اُن کے بس کی بات ہی نہیں ہوتی تھی، اس لئے اس بات کو طریقۂ تصوف کے نام پر جعلی طریقے اختیار کر کے حاصل کرنے کا رواج ہو گیا۔

اس رواج کے بعد تصوف کے نام پر نئی نئی چیزیں وجود میں آ گئیں۔اس وقت پاک و ہند نیز گردوپیش کی دیگر دنیا کو دیکھنے کا تجربہ مکمل ہونے کے بعد بندہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس وقت تصوف کی ترتیب کچھ یوں ہے:

۱۔ ایک گروہ تو مفاد پرست مبتدعین کا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ مخلصین مبتدعین کا ہے۔

۳۔ تیسرا گروہ مخلصین غیر محققین کا ہے۔

۴۔ چوتھا گروہ مخلصین محققین کا ہے۔

ہر گروہ پر تعارفی بحث مندرجہ ذیل ہے۔

مفاد پرست مبتدعین:

مفاد پرست مبتدعین کا گروہ تو سلسلۂ تصوف سے صرف مفادات حاصل کرنے کے لئے ہے۔ ان کا بنیادی مقصد مفادات ہیں خواہ وہ کسی ترتیب سے ہی حاصل ہوتے ہوں۔ مفاد پرست مبتدعین کی پہلی جعل سازی گدی نشینی کے ذریعے شروع ہوئی۔ جب مشائخ کاملین دنیا سے رخصت ہوتے تو ان کی جگہ پر کسی نہ کسی کو بٹھایا جاتا۔اس سلسلے میں جو لوگ صحیح نائب ہوتے تھے اُن کو بٹھانا ہوتا تھا۔ جب تک اس پر عمل ہوتا رہا ہے بہت فائدہ ہوا۔لیکن خاندان کے لوگ کاملین حضرات کے اُن

مفادات کو جوان کی زندگی میں خاندان کو مل رہے ہوتے تھے، چھوٹا دیکھ کر نااہل صاحبزادگان، برادران وغیرہ کو بٹھانے لگے جن کے پاس نہ علم نہ عمل۔ چنانچہ جب لوگوں کی آمدورفت ختم ہونے کو ہوتی تو ایسے لوگوں کو ایسا طریقہ کار اختیار کرنا پڑتا جس سے لوگوں کی آمدورفت بحال رہے۔ چنانچہ ساز وآواز، عرس ومیلہ کے طریقوں کو اختیار کر کے تعداد کو بڑھایا گیا جس سے زہد وتقویٰ کو سیکھنے والے لوگوں کے بجائے میلے ٹھیلے والے عوام ہی جمع ہونے لگے۔ آمدن تو خوب بڑھتی گئی لیکن تقویٰ ندارد۔ بات یہاں تک نہ رکی بلکہ ان صاحبزادگان میں شراب، کباب، شباب، رباب کی ساری قباحتیں شروع ہوگئیں۔ جب اس دور کے صحیح علم وعمل والے علماء ومشائخ نے ان پر رد کیا تو یہ بپھر کر ایسے جھپٹے کہ صحیح علم وعمل والے لوگوں کو ہر طرح ستانے اور اذیت پہنچانے کے لئے تیار ہو گئے اور اس بات کا چرچا کرنے لگے کہ شریعت اور ہے طریقت اور ہے، شریعت ظاہر ہے طریقت باطن ہے۔ طریقت کے باطنی اعمال گہرے راز اور رمز ہیں جا ظاہری علماء کو نظر نہیں آتے اور ان کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ اس طرح عوام کو دھوکہ دے کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے رہے۔ برصغیر پاک وہند، بنگلہ دیش سے شروع کر کے شام، مصر، الجزائر سے ہوتے ہوئے دنیائے اسلام کے آخری کنارے تک چلے جائیں، ہر جگہ اس طرز کے بگڑے ہوئے گدی نشین اور آستانے نظر آئیں گے۔ اس چیز سے آخر جا کر چرسی بھنگیوں کے ٹھیے آباد ہوئے اور کئی اہل سنت والجماعت مشائخ کی اولادیں اہلِ تشیع کی غلاظت میں گر پڑیں۔

سچ بات ہے کہ طریقت کوئی جدا چیز نہیں بلکہ وہ طریقت ہی نہیں جو شریعت کے خلاف ہو اور شریعت والوں کو سمجھ نہ آرہی ہو۔ طریقت تو شریعت پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کی ترتیب ہی ہے اور کچھ نہیں۔ جو ہے وہ سب شریعت میں ہی ہے۔ شریعت کے علاوہ دین کا کوئی شعبہ نہیں ہے جو موجود ہو۔ جس طرح ظاہری شریعت نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہے، اسی طرح باطنی شریعت کبر، حسد، لالچ، کینہ، ریا وغیرہ سے نکلنا اور تواضع، قناعت، ہمدردی، صبر، شکر، اخلاص وغیرہ کو حاصل کرنا ہے۔

ان نام نہاد متصوفین کے قسما قسم سلسلے بندہ نے اپنی اس تریسٹھ سالہ زندگی میں دیکھے۔ بندہ کا ایک سلسلہ کے ساتھ تعارف ہوا۔ سلسلہ چلانے والا ایک انجینئر تھا۔ کسی کالج کا پرنسپل تھا۔ ملا تو تن صاف، من صاف یعنی سنت شکل وصورت سے فارغ۔ پتہ چلا نماز روزہ بھی نہیں۔ پھر کسی نے بتایا کہ ان

کا جو مرکز پہاڑوں میں ہے وہاں مسجد بھی بنائی ہوئی ہے۔ نماز کے شوق والے مریدین وہاں نماز پڑھتے ہیں۔ سنا کہ جو سلسلہ میں کامل ہو جاتا ہے وہ نماز روزہ سے معاف ہو جاتا ہے۔ معلوم کیا کہ وہ تصوف کس چیز کو سمجھتے ہیں؟ پتہ چلا کہ ان کے ہاں دو باتیں ہیں ایک نعت خوانی اور قوالی میں رونا دھونا اور ہُو حق کرنا، وہ جس کا شروع ہو جائے وہ کامل ہو جاتا ہے۔ دوسرے خدمتِ خلق، واقعی ہومیو پیتھک مفت کلینک اس کا چلتا تھا جس میں لوگوں کا ضروری ضروری علاج مفت ہو جاتا تھا۔ لیکن ساتھ اتنا بڑا نقصان کہ آدمی نماز روزہ سے محروم ہو جائے جو کہ مقاصدِ شریعت ہیں اور آدمی رونے دھونے اور ہُو حق کو کمال سمجھنے لگے جو کہ ایک غیر ضروری بات ہے۔ خدمتِ خلق بہت اچھی بات ہے لیکن اس سے نماز روزے تو معاف نہیں ہو تے۔ بہت سے بیوقوف قسم کے لوگ ان کے چکر میں پھنسے ہوئے اسی کو دین اور کمال سمجھ کر چلتے رہے۔

بعض سمجھدار اور دانشور قسم کے لوگوں کا طریقۂ واردات عجیب ہی سامنے آیا۔ ایک برخوردار جامعہ اشرفیہ جیسے ادارے سے فارغ التحصیل عالم بنا ہوا، تبلیغی جماعت کے ساتھ سال لگایا۔ جامعہ اشرفیہ کے ایک شیخِ کامل سے بیعت ہوا۔ شیخ کے آگے پیچھے کچھ اس طرح ہوتا رہا کہ انہوں نے بالکل نوعمری میں ہی خلافت دے دی۔ صاحب بہادر نے سلسلہ چلانا شروع کر دیا اور سلسلہ امریکا تک پہنچا دیا۔ کچھ عرصہ پہلے بندہ کی مسجد میں ایک صاحب خط چھوڑ گئے۔ فریاد لکھی تھی کہ جس آدمی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بیعت کی تھی اور ایسی خدمت کی تھی جیسی خدمت آدمی اپنے ماں باپ کی کرتا ہے، اس نے ہی عظیم ظلم کیا اور عظیم نقصان پہنچا دیا۔ بندہ کی عالمہ بیٹی کا رشتہ اپنے ایک مدرسے کے طالب علم چیلے سے کروالیا۔ اسی داماد کے ذریعے چار لاکھ روپے بھی ہتھیا لئے۔ حقیقتِ حال پیر اور چیلے کی جب سامنے آئی تو پتہ چلا کہ پیر صاحب کی بارہ شادیاں ہوئی ہیں، پلاٹوں کے گھپلے اس کے علاوہ ہیں۔ خیر اس مظلوم نے اُس ڈبہ پیر صاحب کے شیخ سے فریاد کی جو کہ مخلص، محقق شخصیت تھے۔ انہوں نے ڈبہ پیر صاحب اور چیلے دونوں کو بلایا۔ چیلے سے طلاقِ بائن دلوائی اور ڈبہ پیر سے خلافت واپس لی اور اشتہار دے کر اعلان کروایا تاکہ لوگ اس کی واردات سے محفوظ رہیں۔

مخلصین مبتدعین: یہ گروہ ایسے صوفیاء کا ہے کہ مخلص ہیں لیکن بدعات میں مبتلا ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ رابطہ ہونے پر محسوس ہوا کہ اُن کے نزدیک سارا تصوف ذکر اذکار کا نصاب پورا کرنا

ہے۔اگر نصاب پورا ہو جائے ،آدمی ڈاڑھی رکھ کر متشرع ہو جائے مزید یہ کہ سر پر پگڑی بھی باندھ لے مزید یہ کہ نعت خوانی میں رونا دھونا شروع ہو جائے اور حق ہُو کے نعرے بلند ہونے لگیں تو بس اسی پر آدمی کو کامل سمجھ لیا جاتا ہے اور خلافت کھری ہو جاتی ہے۔ان کو اس کے ساتھ سروکار ہی نہیں کہ زندگی میں دیانت،امانت،صداقت پیدا ہوئی ہے کہ نہیں،تواضع ،اخلاص حاصل ہوا ہے یا نہیں۔ایسے لوگوں کو عوام میں تائید حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کی بدعات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

مخلصین غیر محققین:

یہ گروہ مقاصد اور ذرائع نیز نتائج اور زوائد کے سلسلے میں غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے۔ظاہری باطنی اعمال تو مقاصد ہیں جبکہ مجاہدات اور چلہ کشی وغیرہ ذرائع ہیں۔ذرائع کے رُخ پر یہ لوگ سالک کو اتنی تکلیف میں ڈال دیتے ہیں کہ جسمانی اور ذہنی صحت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو جاتا ہے۔نیز نتائج تو ظاہری باطنی اعمال کا حاصل ہونا ہے جبکہ رونے دھونے کی کیفیت،ذکر میں مزہ آنے کی کیفیت،سچے خواب آنے کا حال،کشف حاصل ہونے کی صورت سب زوائد ہیں۔ان کا حاصل ہونا ضروری ہی نہیں ہے،بس میں بھی نہیں ہے۔یہ چیزیں جب حاصل نہ ہوں تو غیر محقق حضرات اتنی پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ تعطل(Depression) تک شکار ہو جاتے ہیں۔بعض سے مرید مجاہدات کی کثرت سے ایسے جسمانی کمزوری کا شکار ہو جاتے ہیں کہ کمائی ملازمت کا ضروری معاشی عمل یا رہ جاتا ہے یا اُس میں انتہائی کمزوری آجاتی ہے۔ازدواجی زندگی کمزوری کا شکار ہو جاتی ہے اور گھر اُجڑ جاتے ہیں۔یہ سب زوائد کے پیچھے پڑنے اور اُن کے لئے غیر ضروری مجاہدات کا شکار ہونے سے ہوتے ہیں۔

مخلصین محققین:

مخلصین محققین ہی سلاسل کا معیار ہیں۔جن کے نزدیک اصل الاصول شریعتِ مطہرہ کے ظاہری باطنی اعمال ہیں جس کا ماخذ قرآن و حدیث ،آثارِ صحابہؓ، ائمہ مجتہدین اور صوفیائے عظام کی تشریحات ہیں۔اُن سے مقاصد ذرائع کے تابع نہیں ہوتے اور نتائج زوائد میں گم نہیں ہوتے۔اُن کی ترتیب بہت ہی سادہ اور سہولت والی ہوتی ہے جسے سالک اپنے دنیوی اُخروی سارے فوائد کو محفوظ کرتے ہوئے حاصل کر لیتا ہے۔

جامعۃ الرشید کراچی میں حاضری

(حضرت ڈاکٹر فدامحمد صاحب مدظلہٗ)

پاکستان پر جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احسانات ہیں ان میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس کے دینی مدارس اور مساجد آزاد ہیں۔ عوامی سطح پر حضرت مولانا الیاس رحمتہ اللہ علیہ کی تبلیغی جماعت کام کر رہی ہے۔ تصوف کے مبارک سلاسل کے کامل حضرات سلسلے چلا رہے ہیں۔ ان سارے اداروں میں کوئی حکومتی مداخلت نہیں ہے۔ اس ساری ترتیب میں ایک اہم پیش رفت جناب مفتی رشید احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی مبارک ذات کے ہاتھوں ہوئی۔ یہ پیش رفت جامعۃ الرشید کے دینی ادارے اور معمار ٹرسٹ کے خدمتِ خلق کے ادارے کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ صحافت کا میدان تو ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں تھا جنھوں نے پاکستان کے رسالوں اور اخباروں کو فحاشی کی آماجگاہ بنا دیا تھا۔ مفتی صاحب کے درجات اللہ بلند فرمائے کہ انھوں نے روزنامہ اسلام اخبار، ہفتہ وار ضربِ مؤمن، ہفتہ وار The Truth کی شکل میں ایسا متبادل نظام دیا کہ ہمیں فحش اخباروں سے بے نیاز کر دیا۔ تھوڑے سے عرصے میں تینوں اخباروں نے پاکستان کے میدانِ صحافت میں اونچا مقام حاصل کر لیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کی زندگی میں حاضری اور زیارت کا شرف تو نہ مل سکا لیکن دل میں حاضری کی خواہش رہتی تھی۔ جناب عدنان کاکاخیل صاحب کا ٹیلی فون آیا کہ سالانہ دینی سندات اور عصری ڈگریوں کی تقسیم کی تقریب ہو رہی ہے جس میں حاضری ضروری ہے۔ اس سے بڑی اور کیا سعادت ہوگی۔ بندہ مقررہ تاریخ پر حاضر ہو گیا۔

جامعۃ الرشید کے اندر قدم رکھا تو عمارات کی تعمیر، باغیچوں اور چمنوں کی ترتیب، مسجد اور ہاسٹلوں کی صفائی ستھرائی سے عجیب تأثر دل پر آیا۔ بندہ پشاور یونیورسٹی اور ملکی و غیر ملکی یونیورسٹیوں میں رہا ہے۔ مختلف ڈیوٹیوں کے سلسلے میں پشاور گورنر ہاؤس اور وزیرِ اعلیٰ ہاؤس جانا

ھوا ہے۔ بحمدِ اللہ جامعۃ الرشید کی صفائی ستھرائی اور باغیچوں، چمنوں کی خوب صورتی ان سب پر فائق تھی۔ رہائش کے لئے حضرات نے ایسا صاف ستھرا آراستہ پیراستہ (furnished) اور ایئر کنڈیشنڈ کمرہ دیا جس کی بجلی مسلسل تھی۔

پورے ملک سے جو دانشور بلائے ہوئے تھے، ایسے حضرات تھے کہ اپنے اپنے انتظامی ،علمی، سائنسی اور صحافتی شعبوں میں ملکی و عالمی سطح پر شہرت یافتہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی دینی وابستگی والے تھے کہ دینداروں کے لئے قابلِ رشک۔ سب حضرات کے معرکۃ الآراء بیانات ہوئے جنھیں علماء نے سراہا۔ کراچی کی تاجر برادری کے نمائندہ حضرات اجتماع میں شامل تھے۔ ان کے بیانات اور جذبات کسی صورت علماء سے کم نہیں تھے۔

جامعۃ الرشید میں درسِ نظامی کے ساتھ دنیاوی عصری علوم کی تعلیم کے شعبے بھی ہیں جن سے مختلف شعبوں کی گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ ڈگریاں ملتی ہیں۔ جہاں دینی اور دنیاوی تعلیم اکٹھی ہو وہاں عموماً دنیاوی ترتیب غالب ہو جاتی ہے۔ الحمد للہ جامعۃ الرشید میں دینی فضاء غالب ہے۔

جامعۃ الرشید کا کلیۃ الشریعہ ایسا ادارہ ہے جس میں دنیاوی علوم کی مختلف یونیورسٹیوں سے ڈگریاں لئے ہوئے طلباء درسِ نظامی پڑھتے ہیں۔ ان طلباء کو تین سالہ ٹریننگ کے بعد سات سالہ ترتیب سے گزرے ہوئے درسِ نظامی کے طلباء کے ساتھ دورۂ حدیث میں بٹھایا جاتا ہے۔ حیرت انگیز بات ہے کہ ان طلباء کی کارکردگی درسِ نظامی والوں کے لئے قابلِ رشک ہوتی ہے۔ دنیاوی علوم کی ڈگریاں لئے ہوئے کئی حضرات جنہوں نے کلیۃ الشریعہ سے درسِ نظامی کی ڈگری لی، مختلف شعبوں اور ملکی اداروں میں برسرِ روزگار ہو گئے ہیں۔ جس جگہ بھی گئے ہیں وہاں کی فضاء ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔

کمپیوٹر پر تو جامعۃ الرشید والوں کی یونیورسٹیوں سے زیادہ گرفت

(command) ہے۔دو وڈیو پروگرام کمپیوٹر کے ذریعے دکھائے گئے۔ایک حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب 'نقشِ حیات' سے پیش کیا گیا جس میں ہندوستان کی مقامی آبادی کی صنعتوں کو جس طریقے سے غاصب انگریز حکمرانوں نے تباہ کیا اس کی روئیداد تھی۔وڈیو کی تصاویر کو ایسا مبہم کر کے پیش کیا گیا کہ تصویر کے شرعی احکام متاثر نہ ہوں۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز ادارے کا عربی کورس تھا جس میں انھوں نے چار سال، چھ سال اور سات سال کے تین بچے پیش کئے۔ادارے نے عربی سیکھنے کی ایک محیر العقول ترتیب بنائی ہوئی ہے جس کے تحت ادارہ خود ٹریننگ دیتا ہے۔ہم تین بندوں نے قرآن پاک کی تین آیتیں پڑھیں۔ان کے مختلف الفاظ پر تین بچوں نے بحث کی۔ یہ بحث عربی گرائمر کے صرف ونحو کے ماہرین کے لئے حیرت انگیز تھی۔بندہ اس دوران ان بچوں کے لئے مسلسل دعا وتوجہ میں مصروف رہا تا کہ اس کارکردگی پر انھیں نظرِ بد کا نقصان نہ ہو جائے۔عربی سیکھنے کی یہ ترتیب اتنی عجیب ہے کہ عام ہو جائے تو کئی لوگ تھوڑی محنت سے عربی سیکھ لیں گے۔

ادارے کے سارے حضرات بہت ہی مبارک شخصیات ہیں لیکن ہمارا رابطہ جناب مفتی عبدالرحیم صاحب جو ادارے کے سربراہ ہیں اور جناب عدنان کاکاخیل صاحب جو ادارے کی روح ورواں ہیں سے رہا۔رخصتی والے دن دونوں حضرات نے اپنے ساتھ ناشتہ کی سعادت بخشی۔کافی دیر تشریف فرما رہے، اپنے ملفوظات سے نوازا اور ہماری عامیانہ باتیں پوری دلچسپی سے سنیں۔عدنان کاکاخیل صاحب نے بتایا کہ ادارے کے سب طلباء کو کسی نہ کسی جگہ بیعت کی ترتیب میں منسلک کیا جاتا ہے۔جو منسلک نہ ہوا ہو اس کو لوفر کا طعنہ دیا جاتا ہے۔اس کا نتیجہ ہے کہ کم ہی کوئی بیعت کے بغیر ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

فنا فی المال۔ ھائے پیسہ وائے پیسہ (قسط۔۷)

(ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر آف میڈیسن، کوہاٹ میڈیکل کالج)

میرے بھائی کا بیان ہے کہ وہ ایک کمپیوٹر کی دکان میں اپنے کسی کام کے سلسلے میں گیئے۔ دکاندار جاننے والا تھا۔ بھائی کے کام کے دوران ایک صاحب اپنا کمپیوٹر لئے دکان میں داخل ہوئے اور کمپیوٹر میں خرابی کا ذکر کیا جو معمولی تھی یعنی اس کا بٹن صحیح طور پر کام نہیں کر رہا تھا۔ دکان والے صاحب نے اس آدمی سے کمپیوٹر لے کر ایک گھنٹہ بعد آنے کا کہا، وہ آدمی کمپیوٹر رکھ کر چلا گیا۔ دکان والے نے ایک بوتل نکالی اور بوتل کے ذریعے اس بٹن پر سپرے کیا تو بٹن کی سختی نرمی میں تبدیل ہو گئی یعنی اس پر جو زنگ تھا وہ شاید صاف ہو گیا، جس سے اس کی کارکردگی اپنی اصلی حالت میں آ گئی۔ اس نے کمپیوٹر بند کر کے رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد کسی کام کے سلسلے میں دکان سے جانے لگا تو اپنے ساتھ کام کرنے والے بندے کو کہہ دیا کہ یہ صاحب جب واپس آئے تو ایک ہزار روپے لے لینا اور کمپیوٹر دے دینا، یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ میں حیران رہ گیا کہ یہ کیسا آدمی ہے، کیسا مسلمان ہے، اس بوتل کی قیمت ۲۰۰ روپے ہے۔ صرف ایک سپرے کرنے سے ایک ہزار روپے لینا تو سراسر زیادتی ہے۔ اتنا منافع لینا شریعت نے منع کیا ہے۔ حضرت علیؓ درہ ہاتھ میں لے کر کوفہ کے بازاروں میں گشت لگایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اے تاجرو! اپنا حق لو، اپنا حق لینے ہی میں سلامتی ہے، کم نفع نہ ٹھکراؤ، ایسا نہ ہو کہ تم زیادہ سے محروم کر دیئے جاؤ۔ (از احیاء العلوم جلد دوم ص ۱۳۴) حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ احسان یہ ہے کہ جس شہر میں جس چیز پر جتنا نفع لیا جاتا ہے، اتنا ہی نفع لے، زیادہ ہرگز نہ لے، جو لوگ کم نفع پر قناعت کرتے ہیں، ان کی طرف لوگوں کا رجوع زیادہ ہوتا ہے۔ اور مال بھی زیادہ فرخت ہوتا ہے، تجارت میں برکت ہوتی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپؓ کی مالداری کا سبب کیا ہے؟ فرمایا کہ تین باتوں نے میری دولت میں اضافہ کیا ہے۔ ایک یہ کہ میں نفع کی قلت کی پرواہ نہیں کرتا اگر کسی چیز پر معمولی نفع بھی

ملے تو بیچنے میں تردد نہیں کرتا۔دوسرے یہ کہ جب کوئی مجھ سے جانور مانگتا ہے، میں اس کے بیچنے میں تاخیر نہیں کرتا۔تیسرے یہ کہ ادھار فروخت کرنے کا قائل نہیں ہوں۔

(ازاحیاءالعلوم جلد دوم ص ۱۳۴)

میں ایک دکان میں داخل ہوا مجھے ایک پوشاک کی ضرورت تھی، میں نے کپڑے دیکھے، نرخ معلوم کیئے تو نرخ بہت زیادہ تھے پچھلی دکان کی نسبت۔میں نے اس دکاندار سے نرخ کی زیادتی کی شکایت کی، تو اس نے دلیل یہ دی کہ ہمارے کپڑے اور پوشاکیں اچھے کپڑے کی بنی ہوتی ہیں۔اس وضاحت میں مجھے کوئی خاص وزن نظر نہیں آیا۔اس دکان کو چھوڑ کر میں ایک اور دکان میں داخل ہوا۔اس میں حال قیمتوں کا وہی تھا۔بہرحال میں نے ضرورت کی چیز خریدی۔خرید کر واپس جانے لگا تو راستے میں ایک جاننے والا مل گیا۔حقیقت حال دریافت کرنے کے بعد کہا کہ اگر یہ سامان آپ فلانی جگہ سے لیتے تو اور بھی سستا مل جاتا۔وہاں کے نرخ اچھے ہیں۔میں چونکہ تھک چکا تھا، اس لئے اس کے مشورے پر مزید عمل کرنے کی طاقت نہیں تھی۔واپسی پر سوچتا رہا کہ پیسے کی خاطر دوسرے مسلمان کو دھوکہ دینا آج کل عام ہے۔نرخ اپنی مرضی کے مقرر کیئے جاتے ہیں، عدل کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو نقصان نہ پہنچائے۔امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قاعدہ کلیہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند ہو۔اگر معاملہ کی کوئی نوعیت ایسی ہو کہ اگر وہ اس معاملہ میں فریق ہوتا تو قلب پر گرانی ہوتی اور یہ معاملہ کرنے کو دل نہ چاہتا۔تو ایسا معاملہ دوسرے کے ساتھ بھی نہ کرنا چاہیئے بلکہ اپنے اور دوسرے کے مال کو مساوی سمجھنا چاہیئے۔محمد ابن المنکدرؒ کے پاس کچھ چوغے برائے فروخت تھے، بعض کی قیمت پانچ درہم تھی اور بعض کی دس درہم۔ایک دن ان کی عدم موجودگی میں غلام نے پانچ کی قیمت کا ایک چوغہ دس درہم میں فروخت کر دیا۔واپس آئے تو غلام کی اس حرکت پر نالاں ہوئے اور اس شخص کی تلاش میں نکلے، جس نے یہ چوغہ خریدا تھا۔دن بھر کی تلاش کے بعد وہ شخص ہاتھ آیا، صورتِ حال بیان کی۔خریدار نے کہا! آپ خوامخواہ پریشان ہوتے ہیں، میں نے اتنی قیمت اپنی مرضی سے

دی ہے۔ابن المنکد رؒ نے جواب دیا ’’تم تو راضی ہو لیکن ہم تمہارے لئے وہی بات پسند کریں گے جو ہم اپنے لئے پسند کرتے ہیں‘‘ اس لئے اب تم یا تو دس درہم والا چوغہ خرید و یا پانچ والا رکھو اور پانچ درہم ہم سے واپس لے لو یا ہمارا چوغہ ہمیں لوٹا دو، ہم تمہیں تمہارے درہم واپس کر دیں گے۔اس نے دوسری صورت قبول کر لی۔جب ابن المنکد رؒ چلے گئے تو خریدار نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ بزرگ کون ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ ان کا نام محمد ابن المنکد رؒ ہے۔خریدار نے کہا **لا الہ الا اللّٰہ**، یہی وہ لوگ ہیں جن کی بدولت ہمیں قحط سالی میں پانی عطا کیا جاتا ہے۔

(از احیاء العلوم جلد دوم ص ۱۳۴)

میرے پاس ایک بیمار آیا جس کی عمر تقریباً چونتیس سال تھی، کافی علاج معالجہ کر چکا تھا، لیکن افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔میں نے اس کے صحت کو دیکھا، پھر اس کے کاغذوں کو (نسخہ جات) کو دیکھا، ساتھ دو قسم کے لیباٹری ٹسٹ تھے۔ظاہراً کوئی بیماری نہیں تھی، نہ ان ٹسٹوں سے تشخیص ہو سکتی تھی، ہر ڈاکٹر نے اپنا حصہ وصول کیا ہوا تھا۔بعض تو غیر ضروری ٹسٹ تھے جو غالباً کمیشن کی خاطر کرائے گئے تھے۔یہ اس طرح ہوتا ہے کہ ڈاکٹر لیبارٹری کو ٹیسٹ بھیجتا ہے تو اُن سے کہتا ہے کہ اس ٹیسٹ کے آدھے پیسے مجھے کمیشن دو گے۔بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ٹیسٹ سرے سے ہوتا ہی نہیں، لیبارٹری والا صرف رزلٹ لکھ کر دی دیتا ہے۔میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کرتے کیا ہے؟ وہ جواب میں کہنے لگا کہ میں پولیس میں ہوں۔مختلف جگہوں پر رہا ہوں۔آجکل فلانی جگہ پر ڈیوٹی کر رہا ہوں۔لیکن اس تکلیف کی وجہ سے کہیں کا نہیں رہا، ڈیوٹی دینا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ میں نے کہا لوگ شکرانے وغیرہ (رشوت) بھی دیتے ہیں۔کہنے لگا کہ اس کے بغیر تو گزارا کرنا مشکل ہے۔دیکھیں ناں آجکل کتنی مہنگائی ہے، یہ نہ لیں تو پیٹ کاٹنا مشکل ہو جائے گا۔میں نے مزید تفصیل جاننے کی ضرورت محسوس نہ کی۔جب پیسے الٰہ کا درجہ اختیار کر جاتے ہیں، تو حلال حرام کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے سرکار دوعالم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ ’’بیت المقدس میں اللہ کا ایک فرشتہ متعین ہے، جو ہر رات یہ اعلان کرتا ہے کہ جو شخص حرام کھائے گا، اس کی نہ فرض عبادت قبول ہو گی اور نہ نفلی عبادت

۔(ازاحیاءالعلوم) سہیل تستری ؒ فرماتے ہے کہ جو شخص حرام غذا کھاتا ہے اس کے اعضاء باری تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، خواہ چاہے یا نہ چاہے، خواہ اسے علم ہو یا نہ ہو۔اور جو شخص حلال غذا کھاتا ہے اس کے اعضاء باری تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور انہیں خیر کی توفیق عطا کی جاتی ہے۔حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی ؒ تسہیل المواعظ میں فرماتے ہیں کہ کوئی چیز رشوت میں ملنے لگے تو نفس ضرورت بتاتا ہے کہ فلاں فلاں کام تجھے کرنے ہیں، ان کے لئے اتنے خرچ کی ضرورت ہے۔اس وقت لے لینا چاہئے اور اللہ میاں کریم ہیں یہ ضرورتیں بھی رفع ہو جائیں اور پھر توبہ سے گناہ بھی نہ رہے گا۔کیسی اچھی بات ہے۔یہ سب وہ تدبیریں ہیں جن سے نفس جال میں پھنساتا ہے اور اس حیلہ کی ضرورت بھی اس وقت ہوتی ہے جب کچھ خوف دل میں ہو ورنہ حیلہ کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

(تسہیل المواعظ ص ٦٢)

جزاءالاعمال میں حضرت تھانوی ؒ تحریر فرماتے ہیں ”کہ گناہ کرنے سے نعمتیں سلب ہو جاتی ہیں اور بلاؤں اور مصیبتوں کا ہجوم ہوتا ہے“۔حضرت علی ؓ کا ارشاد ہے فرماتے ہیں ”کہ نہیں نازل ہوئی کوئی بلا مگر بسبب گناہ کے اور نہیں دور ہوئی کوئی بلا مگر بسبب توبہ کے“۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وما اصابکم من مصیبة فبما ایدیکم و یعفو عن کثیر “یعنی جو مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے اعمال کے سبب سے آتی ہے اور بہت سی باتوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں“۔گناہ کرنے سے قلب کا اطمینان جاتا رہتا ہے، کچھ پریشان سا ہو جاتا ہے، ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے، عقل میں فتور اور فساد ہو جاتا ہے۔(جزاء الا اعمال) چونکہ مال کے فتنے میں لوگ مبتلا ہیں اس لئے ان کے تفکرات اور پریشانیاں اور بیماریاں بھی زیادہ ہو جاتی ہیں۔

میں مریضوں کے حالات پر غور کرتا رہتا ہوں، جو مال کے معاملے میں احتیاط نہیں کرتا، اس کو ایسی بیماری لگ جاتی ہے جس کی سمجھ ڈاکٹروں کو نہیں آتی۔وہ دربدر پھرتے ہیں، جو حرام مال کمایا ہوتا وہ دوسری طرف ہسپتالوں، تھانوں اور کچہریوں کے چکر کاٹنے میں نکل جاتا ہے۔میں ایک دفعہ حضرت خیال محمد صاحب دامت برکاتہٗ کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ فرمانے لگے کہ اس سے پہلے کہ تم سے

اللہ پاک مال زبردستی لیں، تم اللہ پاک کو مال دو یعنی صدقہ، خیرات کرو۔ مال جمع کرنے کی چیز نہیں ہے ورنہ پریشان رہو گے۔ پھر ایک آدمی کا قصہ سنایا کہ میرے پاس ایک آدمی آیا جو کسٹم میں ملازم تھا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا اور اپنے اوپر آنے والی مصیبتوں کا ذکر کیا۔ میں نے کہا جو کچھ حرام کمایا ہے، وہ زمین میں دفن کرو، جو گھر بنایا ہے، وہ زمین بوس کرو اور ایک جھونپڑے میں رہ کر پچھلی زندگی پر تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرو تو زندگی آرام والی، مزہ والی بنے گی۔ تم تو یہ سمجھتے ہو جو کچھ کسی کے پاس ہے، وہ میرا ہو جائے اور حرام حلال کی تمیز نہیں کرتے اور مجھے کہتے ہو کہ وظیفے دو۔ جاؤ اپنا کام کرو، یہ باتیں کہہ کر میں نے اس کو رخصت کر دیا۔

میرے پاس ایک پٹواری بیمار آیا۔ شکل سے باشرع تھا، صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا۔ پیٹ کی بیماری کے ساتھ جسمانی درد، سر کا درد، ہر وقت طبیعت کا بوجھل پن، منہ کا ذائقہ خراب، ہر وقت پریشان رہنا جیسی شکایات تھیں۔ میں نے اس کا معائنہ کیا، دوائی دے کر رخصت کیا۔ کچھ عرصہ بعد دوبارہ آیا، پھر وہی شکایات ساتھ باقی ڈاکٹر حضرات کے نسخہ جات۔ میں نے پھر دوائی دے کر رخصت کیا۔ تیسری دفعہ پھر آیا، بیماری میں آفاقہ نہ آنے کی شکایت کی۔ اس دفعہ میں نے اس کے حالات کریدے تو پٹواری پن اس کی بیماری اور شفاء میں حائل نظر آیا۔ چونکہ صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا۔ ساتھ حرام کا خیال نہ کرنا، دونوں ایک ساتھ چل نہیں سکتے تھے اس لئے دعا اور دوا کارگر نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے اسے اپنے حضرت صاحب کا بیان کردہ قصہ سنایا کہ ایک شخص نے حضرت صاحب کی مجلس میں آنے کے بعد اپنی تکالیف کی زیادتی کی شکایت کی۔ کہ جب سے یہاں پر آ رہا ہوں، روز بروز تکالیف، بیماری کی شکل میں، کاروبار کے نقصانات کی شکل میں زیادہ ہوتی جا رہی ہیں۔ ان ذکر کی مجالس سے بجائے نفع کے نقصان ہو رہا ہے۔ فلانے سلسلے والوں کے پاس جائیں تو کاروبار بڑھتا ہے، وظیفے بھی ملتے ہیں۔ حضرت صاحب نے اس کی شکایت کا جواب دیا، حرام حرام جگہ پر ہی پھلتا پھولتا ہے، یہاں پر تو معاملات کی درستگی سے ہی دنیا کی زندگی راحت والی بنتی ہے۔ آپ کا چونکہ سود کے کاروبار سے تعلق ہے، اس لئے جب آپ ایک طرف نماز پڑھتے ہے تو اللہ تعالی کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ آگے حرام مال

کی آمیزش کی زحمت آپ پر مصیبت کی شکل میں آتی ہے تا کہ آپ کی صفائی ہو سکے۔ اس لئے کہ پہلے گند صاف ہوتا ہے پھر نور داخل ہوتا ہے۔ آپ اس سود سے توبہ کریں اور اپنے آپ کو اس سے ہٹائیں، پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ کیسے آپ کی زندگی کو سنوارتے ہیں۔ بعد میں اس ساتھی نے توبہ کی اور اپنے آپ کو درست کیا تو رحمت آنا شروع ہوئی۔ میں نے یہ قصہ اس پٹواری کو سنا کر عرض کیا کہ آپ اپنی حرام زندگی سے توبہ کریں اور ہو سکے تو اس پٹواری کے عہدے سے اپنے آپ کو ہٹا کر کسی دوسری جگہ پر ملازمت اختیار کریں۔ تو بیماریاں دور ہو جائیں گی، نہیں تو ڈاکٹروں کے چکر کاٹتے باقی زندگی گزر جائے گی۔

حضرت تھانویؒ صاحب فرماتے ہیں کہ ''پیٹ کا گناہ سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس کو حرام غذا سے بھرا جائے کیونکہ اگر اس کو نہ چھوڑا تو دوسرے گناہوں کا چھوڑنا نہایت دشوار ہوگا۔ حدیث شریف کا مضمون ہے کہ پیٹ تمام بدن کا حوض ہے پس اگر اس میں گندہ پانی ہوگا تو تمام نالیوں میں گندہ پانی پہنچے گا اور یہ مضمون انسان کے بدن اور روح دونوں کے لئے عام ہے یعنی بدن کی بیماریاں جتنی پیدا ہوتی ہے ان کا سبب پیٹ ہی کی خرابی ہوتی ہے۔ اسی طرح روح کے امراض بھی جس قدر پیدا ہوتے ہیں، ان کا سرچشمہ بھی پیٹ ہی ہے۔ تو جس طرح بدن کی بیماریوں کے واسطے طبیب ظاہری کے قول پر عمل کر کے علاج کرتے ہو۔ اسی طرح باطنی امراض کے اصلاح کے لئے طبیبِ باطنی کے قول پر عمل کر کے حرام کھانا چھوڑ دو۔ ایک تو صحت روحانی ہے اور ایک صحت جسمانی۔ جسمانی صحت تو اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ مزاج کے مناسب غذا کھائی جائے، وہی سب جگہ تقسیم ہوگی اور روحانی صحت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ حلال غذا معدہ میں پہنچ جائے، اس سے تمام اعضاء کو نیک اعمال کی توفیق ہوگی اور حرام غذا پہنچی تو تمام اعضاء کو گناہوں کی طرف میلان ہوگا۔'' (تہسیل المواعظ ص ۵۹۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص اپنے اہل و عیال کے لئے حلال کمانے کی جدو جہد کرے تو وہ شہداء کے درجے میں ہے'' (طبرانی اوسط۔ ابوہریرہؓ۔ از احیاء العلوم) حدیث شریف میں ہے کہ جس گوشت (انسان کا جسم) نے حرام آمدنی سے نشونما پائی وہ جنت میں (سزا پائے بغیر) داخل نہیں ہوگا (مشکوٰۃ بحوالہ احمد و داری۔ از اسوۂ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) (جاری ہے)

تبصرۂ کتب

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہ)

۱۔ اصلاحِ نفس

تصنیف: جناب اختیار الملک صاحب دامت برکاتہ

ملنے کا پتہ: خانقاہِ اشرفیہ گلشنِ چشتیہ مانسہرہ

بندہ کے شیخ و مربی کے خلیفہ جناب اختیار الملک صاحب نے کتاب ''اصلاحِ نفس'' کی پہلی جلد بھیجی۔ کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ گزشتہ پچیس سال سے سلسلۂ بیعت چلاتے ہوئے جو بیانات حضرت ارشاد فرماتے رہے، یہ انہی کا مجموعہ ہے۔ کتاب بہت دلچسپ ہے، اصلاحِ نفس کے لئے بہت فکر انگیز ہے جبکہ سمجھنے کے لحاظ سے بہت عام فہم ہے۔ حوالہ جات بہت مضبوط ہیں۔ انشاءاللہ بہت مفید ہوگی۔

۲۔ مجالسِ غور غشتوی

تصنیف مفتی قاسم صاحب (بجلی گھر)

ملنے کا پتہ: مدرسہ فاروقیہ لالہ زار کالونی علاقہ مولانا بجلی گھر صاحب لنڈی ارباب روڈ پشاور

مذکورہ تصنیف ہمارے صوبے کی مشہور علمی اور روحانی شخصیت مولانا نصیر الدین غور غشتی رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس کے بارے میں ہے۔ جناب مولانا امیر صاحب بجلی گھر اور ان کے ایک ساتھی مولانا زین العابدین حضرت کی خاص معتقدین میں سے تھے۔ مختلف اوقات میں ان کی حاضری ہوتی رہتی تھی۔ ان کی مجالس کو حضرت مولانا بجلی گھر صاحب کی زبانی یادداشتوں اور مولانا کی بیاض سے جناب مفتی قاسم صاحب فرزند جناب مولانا محمد امیر بجلی گھر صاحب نے مرتب کیا ہے۔ بندہ کو پڑھنے کا موقع ملا، بہت لطف آیا۔ قلب پر تاثر محسوس ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆

قلندر

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی طرف سے ایک تحریر ''سد سکندر فی تحقیق لفظ قلندر'' تبصرہ کے لئے بھیجی۔ بندہ کو اپنا واقعہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ تبلیغی جماعت کے ساتھ لکی مروت جانا ہوا۔ مغرب کے بعد بندہ کا بیان ہوا۔ ایک طالب علم نے بہت شوق سے سنا۔ بیان کے بعد ازراہ عقیدت بندہ کو دبانے لگا۔ فوراً اس نے پشتو میں کہا کہ ڈاکٹر صاحب ''تہ خو ڈیر ڈنگر اے'' ڈاکٹر صاحب آپ تو بہت ڈنگر ہیں۔ پشاور کی پشتو میں ڈنگر مال مویشی گائے بیل وغیرہ کو کہتے ہیں۔ عقیدت اور پھر یہ جملہ کہ بندہ کو ڈنگر کہتا ہے۔ مقامی ساتھی عظیم خان نے بتایا کہ یہاں کی پشتو میں کمزور کو ڈنگر کہتے ہیں۔ اس پر پتہ چلا کہ یہ جملہ بھی برخوردار نے عقیدت میں ہی کہا تھا۔ کہ ڈاکٹر صاحب بیچارہ مجاہدات سے بہت کمزور ہو گیا ہے۔ ایسے ہی ایک مرتبہ جماعت کے ساتھ ڈیرہ اسماعیل خان کے ہسپتال کی مسجد میں مریضوں کے لواحقین کے سامنے پشتو میں بیان کرنے کا موقع ملا تو لوگوں نے بطور احتجاج کہا کہ ہم تمہاری پشتو نہیں سمجھتے۔ اس پر بندہ کے ایک شاگرد نے پشاوری پشتو کا وزیرستانی پشتو میں ترجمہ کیا۔ الفاظ تو ایک زبان میں مختلف علاقوں میں مختلف معانی پر بولے جاتے ہیں۔ جبکہ ایسی زبانیں جن میں علوم وفنون بیان کئے گئے ہوں لغوی معنی والے کئی الفاظ اصطلاح بن جاتے ہیں۔ اصطلاح بن جانے کے بعد لغوی معنی تو پردے میں چلے جاتے ہیں جبکہ اصطلاحی معنی ہی باقی رہ جاتے ہیں۔ عربی میں قرآن عظیم اترا، احادیث مبارکہ عربی میں ہیں، فقہ اور تصوف کا کافی ذخیرہ عربی میں ہے۔ اس کے بعد یہ علوم فارسی اور اردو میں ہیں۔ لہٰذا ان زبانوں کے کئی الفاظ اصطلاحات بن گئے ہیں جن کے لغوی معنی اوجھل ہو گئے ہیں جبکہ اصطلاحی معنی ہی چالو رہ گئے ہیں۔ لفظ قلندر فارسی زبان کا لفظ ہے اور تعلق مع اللہ کے ایک لون اور رنگ کے بیان کے لئے مختص ہو گیا جس کا دنیائے تصوف میں خوب چرچا ہے۔

اس صدی میں کلامِ اقبال میں بڑی شان کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں جناب عبدالقیوم حقانی صاحب نے حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کے لئے مردِ قلندر کا لفظ منتخب کیا۔ جس پر کچھ معاصر حضرات کو اعتراض ہوا اور فوری کسی اردو لغت سے اس کے معنی دیکھ کر فیصلہ کر لیا۔ یہ

بات بندہ کی مطالعہ میں کافی عرصہ سے ہے کہ دیوبندی مدارس سے فارغ ہوکر تدریس کے لحاظ سے اعلیٰ جگہ تک پہنچ جانے والے حضرات کا دیوبند کے تصوف کے سرمایہ اور ذخیرہ کے ساتھ رابطہ نہیں ہوا ہوتا۔ اشاعت والے حضرات تو اس سے بالکل فارغ ہیں۔ حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات کی تو معلومات بھی نہیں ہوتیں۔ بہرحال لفظ قلندر کے بارے میں تو جناب مولانا نثار صاحب، جناب نورستان صاحب اور دیگر حضرات نے ماشاءاللہ معرکۃ الآرا بحثیں کیں۔ نثار صاحب کا مضمون تو ایسا ہے کہ بندہ نے پشاور یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے کسی استاد کے حوالے کیا تو اس پر تھوڑا سا کام کر کے وہ آسانی سے ایم۔فل اسلامیات کی ڈگری لے سکتا ہے۔ اور اسی بحث کو تھوڑا سا بڑھالے اور مزید تحقیقی کام کرلے تو یہ اسلامیات کی پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ بن سکتا ہے۔ بندہ غور کرتا رہا کہ ان حضرات نے ہمارے لئے بھی کچھ چھوڑا ہے کہ قلندر پر کچھ بات کرسکیں۔ تو ایک شعر بے ساختہ سامنے آیا۔

سکندر خوش نہیں ہے لوٹ کر دولت زمانے کی
قلندر دونوں ہاتھوں سے لٹا کر رقص کرتا ہے

ایک آیت بھی سامنے آئی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ لا اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط (مائدہ: ۵۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے (اس) دین سے پھر جائے تو (اسلام کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ اسلامی خدمات انجام دینے کے لئے) اللہ تعالیٰ بہت جلد (ان کی جگہ) ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور اُن کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی، مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر، تیز ہوں گے کافروں پر (کہ اُن سے) جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں (اور دین اور جہاد کے مقدمہ میں) وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔

(معارف القرآن)

قلندری طریقہ کی اساس اس آیت میں بیان ہوئی ہے، وہ ہے اللہ کی محبت، مسلمانوں کے

سامنے عاجزی، کفار کے سامنے تیزی اور مضبوطی، اللہ کی راہ میں جہاد اور ان کاموں میں ہر قسم کی ملامت گری سے بے پرواہو کر اُس کے برداشت کرنے کے لئے کمر باندھے رہنا۔

مردِ قلندر جناب حضرت عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کی بندہ کو تین مرتبہ زیارت نصیب ہوئی۔ ایک مرتبہ جب بندہ کے شیخ ومربی حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے ہاں تشریف لائے تو حاضرین مل رہے تھے۔ بندہ نے مصافحہ کیا تو کسی نے تعارف کروایا کہ ڈاکٹر فدا ہے۔ حضرتؒ نے فوراً فرمایا 'پروفیسر' حالانکہ اس وقت میں جونیئر پوسٹ پر لیکچرر تھا، تعلیم بھی صرف ایم۔ بی۔ ایس تھی۔ لیکچرر ۱۷ گریڈ کی پوسٹ تھی جبکہ پروفیسر ۲۰ گریڈ کی۔ حضرتؒ کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ اللہ نے غیب سے مزید تعلیم کا بندوبست بھی کیا اور پروفیسر کر کے گریڈ ۲۱ تک پہنچا دیا۔ ایک دوسرے آدمی نے مصافحہ کیا، اس کا تعارف کروایا، فرمایا اس سے خطرہ ہے۔ واقعی اس آدمی کے حالات ہم نے عبرت انگیز دیکھے۔ پھر حضرتؒ نے نمازِ مغرب بھی بندہ کے پیچھے پڑھی، اللہ تعالیٰ اس نماز کو ہماری مغفرت کا سامان بنا دے۔ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے شام کو حضرتؒ کے اعزاز میں پچاس افراد کے کھانے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ عین وقت پر پتہ چلا کہ حضرت نے مغرب کی ضیافت کسی اور کی قبول کی ہوئی ہے۔ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کو بہت حسرت ہوئی۔ عشاء کے بعد آدمی آ گیا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ میرے حصے کا کھانا برتنوں میں ڈال کر دو، میں ساتھ لے کر جاؤں گا۔ حضرت مولانا اشرف صاحب کو اس پر اتنی خوشی ہوئی کہ نہال ہو گئے۔ ایک بار تشریف لائے تو سٹیشن تک چھوڑنے کے لئے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے اپنے خادمِ خاص شاہجہان صاحب کو بھیجا۔ مارشل لاء لگا ہوا تھا اور سٹیشن کے باہر فوج کھڑی تھی اور ایک گاڑی کو بھی سٹیشن کے اندر جانے نہیں دیتے تھے۔ حاجی شاہجہان صاحب نے باہر گاڑی کھڑی کی اور حضرت درخواستیؒ سے عرض کیا، حضرتؒ اتریں۔ انہوں پوچھا کیوں! حاجی صاحب نے کہا کہ آگے گاڑی جانے نہیں دیتے، مارشل لاء ہے۔ حضرت درخواستیؒ نے فرمایا آگے بڑھو، ان کے پاس مارشل لاء ہے، ہمارے پاس ماشاءاللہ ہے۔ حاجی صاحب کہتے ہیں کہ میں گاڑی سیدھی پلیٹ فارم کے دروازے تک لے گیا، کسی نے پوچھا تک نہیں۔

نہ تاج وتخت میں نے لشکروسپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

تین شرطیں

(کتاب 'مختصر پُر اثر' سے ڈاکٹر محمد طارق کا انتخاب)

ایک شخص اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور گزارش کی۔ ''حضرت! میں نے اپنے قصبے میں ایک تبلیغی جلسے کا پروگرام بنایا ہے۔ آپ سے تاریخ لینے کے لئے آیا ہوں۔ جلسے میں آپ کا تشریف لانا ہم سب کے لئے برکت کا سبب ہوگا۔'' انہوں نے اُس شخص سے فرمایا: ''میں آ تو جاؤں گا لیکن میری تین شرطیں ہیں، شرطیں منظور کریں گے تو آؤں گا ورنہ نہیں۔'' اُس نے کہا: ''شرطیں بتائیں، سننے کے بعد ہی جواب دے سکوں گا۔'' اُنہوں نے یہ تین شرطیں اس کے سامنے رکھیں۔ ''پہلی شرط یہ ہے کہ جب میں اسٹیشن پر اتروں تو میرے استقبال کے لئے کوئی آدمی موجود نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ روٹی کا انتظام میرا اپنا ہوگا، آپ کے ہاں روٹی نہیں کھاؤں گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جلسہ ختم ہونے کے بعد روانگی کے وقت کوئی فیس نہیں لوں گا۔'' اُس شخص نے تینوں شرطیں سن کر کہا: ''شرطیں اگرچہ بہت زیادہ سخت ہیں لیکن چونکہ میرے دل میں آپ کی بہت ہے اس لئے منظور کرتا ہوں۔''

اُنہوں نے تاریخ دے دی۔ وقتِ مقررہ پر روانہ ہوئے۔ اسٹیشن پر اُترے تو استقبال کے لئے کوئی نہیں تھا۔ اللہ کا شکر ادا کیا کہ صاحبِ جلسہ نے پہلی شرط پوری کی۔ پھر جلسہ گاہ میں پہنچے، وعظ فرمایا۔ کھانے کے وقت صاحب جلسہ نے آپ کو نہیں بلایا، یعنی دوسری شرط بھی پوری کی۔ اپنے ساتھ چنے لائے تھے، وہ کھالئے۔ وعظ کے بعد واپس روانہ ہوئے۔ گاڑی کے انتظار میں پلیٹ فارم پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی زیارت کے لئے آیا۔ اُس نے دس روپے بطور ہدیہ پیش کئے۔ حضرت نے پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں؟ یہ اُنہوں نے اپنا شک دور کرنے کے لئے پوچھا کہ شاید یہ آدمی صاحبِ جلسہ کا بھیجا ہوا ہو اور اس بہانے فیس دینا چاہتا ہو۔ اس شخص نے عرض کیا، ''میں امرتسر سے آیا ہوں، جلسے میں نہیں تھا۔'' اس طرح آپ نے اطمینان کا سانس لیا۔

یہ تھے حضرت احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ آج ایسی نظیر مشکل سے ملتی ہے۔

رمضان کے معمولات اور اعتکاف

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ)

رمضان کے مہینے میں ادارے کی باہر کی ساری سرگرمیاں اور مجالس موقوف ہو جاتی ہیں۔اس کی جگہ مندرجہ ذیل سرگرمیاں شروع ہو جاتی ہیں:

خانقاہ آفریدی گڑھی آبدرہ پشاور میں

ا۔ مجلسِ ذکر روزانہ افطار سے ۴۵ منٹ پہلے

ب۔ تراویح میں پہلا ختمِ قرآن دس دن

ج۔ تراویح میں دوسرختمِ قرآن دس دن

د۔ آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں تربیتی مجالس کے علاوہ ایک ختمِ قرآن چھ دن کا اور ایک تین دن کا کیا جاتا ہے۔

ادارے کا ایک تربیتی اعتکاف مندرجہ بالا ترتیب کے مطابق جامع مسجدِ فردوس پشاور یونیورسٹی میں جناب پروفیسر ڈاکٹر قیصر صاحب کی زیرِ نگرانی ہوتا ہے۔اسی ترتیب پر ایک اعتکاف جامع مسجد نزد ٹرائیبل ہاسٹل اسلامیہ کالج میں پروفیسر الطاف صاحب کی زیرِ نگرانی ہوتا ہے۔ہمارا روزہ خبرِ واحد کے اصول پر سعودی عرب کے اعلان سے شروع ہو جاتا ہے۔اعتکاف بھی اسی کے مطابق ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆